Title - JAWA MAY AL HIKAYAAT-O-LAWA MAY AL RAWAYAAT

Creator - Mohd. Aufi; Mutarjuma Akhtar Sheerani.

Publisher - Anjuman Taraqqi Urdu (Delhi).

Date - 1943

Pages - 230

Subjects - Aufi - Jawa May Al Hikayaat - Tarjuma Urdu; Farsi Adab. Akhlaqiyaat - Hikayaat.

سلسلۂ مطبوعات انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند) نمبر ۱۹۷

جوامع الحکایات
و
لوامع الروایات

حصۂ اول

مترجمہ
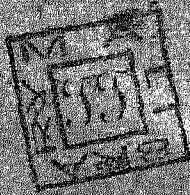
اختر شیرانی

شائع کردہ

انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند) دہلی

سنہ ۱۹۴۳ء قیمت مجلد [illegible] غیر مجلد [illegible]

299

سلسلۂ مطبوعات انجمنِ ترقّیٔ اُردو (ہند) نمبر ۱۹۷

جوامع الحکایات

و

لوامع الروایات

جلد اوّل

مترجمہ

اختر شیرانی

شائع کردہ

انجمنِ ترقّیٔ اُردو (ہند) دہلی

ایڈیشن   سنہ ۱۹۴۳ء   قیمت مجلد [illegible] غیر مجلد [illegible]

فہرست مضامین

تعارف

۱/ محمد عوفی کی تالیف "جوامع الحکایات و لوامع الروایات" (جس کی منتخب حکایات کا ترجمہ اس وقت آپ کے سامنے ہے) فارسی زبان و ادب کی اُن نادر اور اہم کتابوں میں سے ہے، جو اپنی اِفادی حیثیت اور موضوعی خصوصیت کی بنا پر لازوال شہرت اور مقبولیت حاصل کرنے کی حق دار ہیں (اس دل چسپ کتاب کا آج تک طباعت واشاعت سے محروم رہنا، جہاں اس کی شہرت کے لیے نقصان کا باعث ہوا ہے وہاں فارسی ادبیات کے طلبہ کے لیے بھی کچھ کم بدقسمتی کا سبب نہیں بنا۔

۲/ اس کتاب کی تین خصوصیتیں اِسے، اس قسم کی دوسری ادبی مساعی سے ممیز کرتی ہیں۔ اوّل یہ کہ حکایتوں کا بیشتر حصہ تاریخی رنگ کا حامل ہے۔ دوسرے یہ کہ موضوعوں کی کثرت اور رنگا رنگی نظر آتی ہے۔ تیسری یہ کہ دوسری ہم رنگ کتابوں کے مقابلے میں اس کی حکایتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چناں چہ اس کی چار جلدیں ایک سو ابواب پر منقسم اور ۲۱۱۳ حکایتوں پر مشتمل ہیں۔

جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے، اصل کتاب آج تک طبع و اشاعت سے محروم رہی ہے۔ قلمی نسخے البتہ کافی تعداد میں موجود ہیں، لیکن یورپی کتاب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں) یہی وجہ ہے کہ جب ڈاکٹر عبدالحق صاحب (قبلہ) کے حکم سے میں نے اس کتاب کو اُردو میں منتقل کرنا چاہا تو "انجمنِ ترقیِ اُردو" (ہند) کے تنہا نسخے کو سامنے رکھنا پڑا۔ مزید بدقسمتی یہ کہ یہ تنہا نسخہ بھی حد درجے غلط اور ناقص نکلا۔ کوئی سطر ایسی نہیں جس میں کتابت کی غلطیاں اور مطالب کی فروگزاشتیں موجود نہ ہوں۔

پوری کتاب کا ترجمہ نہ کرنے کا ایک سبب تو اصل کتاب کی یہی غلط نگاری ہے، دوسری یہ کہ جو حکایتیں اس زمانے کے مذاق سے مطابقت نہ رکھتی تھیں اُن کو قلم انداز کرنا پڑا۔ تیسرا یہ کہ وہ حصّہ جو شاہانِ عجم، انبیا اور خلفا کے حالات پر مشتمل تھا، اُس کی چنداں ضرورت نہ سمجھی گئی، کیوں کہ یہ حالات اس قسم کی مخصوص کتابوں میں بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔

نفسِ ترجمہ کے بارے میں اتنا لکھنا کافی ہے کہ جہاں لفظی ترجمے سے بیزاری ضروری خیال کی ہے، وہاں بے ضرورت آزادی بھی روا نہیں رکھی گئی ہے کہیں کہیں کوئی فقرہ چھوٹ گیا ہے تو اس کا سبب اصل کتاب کے غلط نویسی ہے، لیکن یہ فقرہ اتنا ضروری بھی نہ ہوگا کہ پڑھنے والوں کے لیے کسی خاص نقصان یا محرومی کا باعث بن سکے۔

مولّف کتاب کے حالات

محمد عوفی کے مفصل حالات، کسی کتاب اور تذکرے میں نہیں ملتے۔ یہاں تک کہ ہم اس کی ولادت اور وفات کی تاریخ سے قطعی طور پر ناواقف ہیں۔ قدیم تذکروں میں اس کے حالات کے متعلق ایک دو سطروں سے زیادہ نہیں لکھا گیا۔ البتہ خود مولّف نے اپنی تالیف میں جگہ جگہ ایسے اشارے ضرور کیے ہیں جن سے اس کے سوانح پر دھندلی سی روشنی پڑتی ہے۔

قدیم تذکروں میں اس کا لقب نور الدین بیان کیا گیا ہے۔ چناں چہ حمد اللہ مستوفی (جو محمد عوفی سے تقریباً ایک صدی بعد گزرا ہے۔ اور عوفی کا تذکرہ کرنے میں سب سے پہلا شخص ہے) اپنی مشہور کتاب "تاریخ گزیدہ" (نوشتہ ۷۳۰ھ) میں لکھتا ہے:-

"محمد ابن[1] العوفی ملقب نورالدین صاحب جامع الحکایات[2] درِ اول فترت مغول در گزشت"۔ حمداللہ مستوفی کے پس رو تذکرہ نگاروں اور مورخین نے عوفی کا یہی لقب دہرایا ہے۔ چناں چہ غیاث الدین خواند میر اپنی کتاب "حبیب السیر" میں لکھتا ہے:۔

"واز جملۂ افاضل نورالدین محمد العوفی در عہد سلطان شمس الدین التمش در دہلی اقامت داشت و کتاب جامع[3] الحکایات بنام آں وزیر صافی[4] ضمیر بر صحیفۂ انشا نگاشت"

حاجی خلیفہ (خلفہ) اور مصلح الدین محمد اللاری اس کا لقب جمال الدین بتاتے ہیں، جو یقیناً غلط ہے۔

ہمارے زمانے تک اُس کا لقب نورالدین ہی معروف رہا ہے۔ چناں چہ میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی بھی (جنھوں نے عوفی کی دوسری اہم کتاب "لباب الالباب" کا مقدمہ لکھا ہے) اپنے ہم وطن حمداللہ قزوینی کی طرح اس کا لقب نورالدین ہی تسلیم کرتے ہیں۔

حیدرآباد کے ڈاکٹر نظام الدین (جنھوں نے جوامع الحکایات پر ایک طویل تعارف[5] لکھا ہے) قدیم و جدید بیانات کے برخلاف عوفی کو سدیدالدین کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے دعوے کے دلائل یہ ہیں:۔

---

[1] "ابن" غلط ہے کیوں کہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا اُس کے باپ کا نام بھی محمد تھا۔

[2] صحیح نام "جوامع الحکایات" ہے۔

[3] "تاریخ گزیدہ" کی طرح اس نے بھی یہ نام غلط لکھا ہے۔

[4] یعنی نظام الملک محمد بن ابی سعد الجنیدی وزیر ناصر الدین قباچہ۔

[5] "INTRODUCTION TO THE JAWAMI'U 'L-HIKAYAT WA LAWAMI'U 'R-RIWAYAT OF SADIDU-DIN MUHAM-MAD AL-AWFI" (طبع لندن)

(۱) اوّل یہ کہ محمد عوفی کا معاصر محمد بن عمر بن محمد سمرقندی (جو عوفی کی تیسری کتاب فارسی ترجمہ "الفرج بعد الشدۃ" کا کاتب ہے) لکھتا ہے:۔

" باز می نماید اصغر العبید محمد (بن) عمر (بن) محمد سمرقندی کہ کاتب الفرج بعد الشدۃ است .... کہ بندہ بحکم وقائع ایام وحوادث روزگار ازیں حضرت با جلال لازال محفوفۃ بالعز و الاقبال بطرف نہروالہ وحدود وسواحل دریاے محیط افتاد بموضعے کہ آں (را) کنبایت میخوانند قاضی امام اعز اخص امجد اشرف سدید الملک والدین ظہیر الاسلام والمسلمین واعظ الملوک والسلاطین منشی النظم والنثر ملک الکلام افضل العالم محمد العوفی یدیم اللہ ایامہ روزے چند آنجا سکونت ساختہ بود بسبب اختلاط و مباسطت کہ بندہ را با او می بود ائتلافے میداشت [۱] "

(۲) دوسری دلیل یا ثبوت کے طور پر ڈاکٹر صاحب عوفی کے ایک اور ہم عصر مہذب الدین منصور بن علی الاسفزاری کا یہ بیت پیش کرتے ہیں، جو عوفی کے متعلق کہا گیا ہے ؎

ما ابصرت ایام عمری طرفی قرماً کریماً کا سدید العوفی [۲]

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ "جوامع الحکایات" کے دوسرے قدیم ترین نسخے (نوشتہ ۶۷۱ھ) کے خاتمے پر متن میں مولّف نے اپنے آپ کو "سدید عوفی" لکھا ہے۔ علاوہ بریں اسی نسخے میں ایک اور جگہ کاتب کے قلم سے یہ عبارت نظر آتی ہے:۔

"کتاب جوامع الحکایات ولوامع الروایات من تصانیف الامام ابن الامام

---

[۱] بقول ڈاکٹر نظام الدین عوفی کے ترجمۂ "الفرج بعد الشدۃ" کے نصف ثانی کے دو نسخے انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہیں (نمبر ۲۳۲ا ۔ و ۲۰ ۷)

[۲] عوفی کہتا ہے " وقصیدۂ تازی فرستاد بنزدیک ایں بندہ کہ مطلع آں ایں است "

(لباب الالباب طبع لنڈن ۔ ج ۔ اوّل صفحہ ۹ ۔ ۱۵۸)

حجتہ الاسلام سدید الملتہ والدین محمد العوفی رحمتہ اللہ واسعتہ[۱۵]"

(۴) چوتھی شہادت یہ ہو کہ "تجارب السلف" میں (جو کتاب الفخری کا فارسی ترجمہ ہو اور ۷۲۴ھ مطابق ۱۳۲۴ء سے تعلق رکھتا ہو) ہندو شاہ بن سنجر القیرانی الصاحبی جوامع الحکایات کے حوالے دیتا ہوا لکھتا ہو:-

"و امام سدید الدین محمد بن (محمد) عوفی در کتاب جا (جوا) مع الحکایات گفتہ است[۱۶]"

دوسری جگہ لکھتا ہو:-

"چناں کہ در جوامع الحکایات مرحوم سدید الدین محمد عوفی بخاری رحمتہ اللہ آوردہ است[۱۷]"

ڈاکٹر نظام الدین کی ان شہادتوں پر ایک شہادت کا ہم اضافہ کرتے ہیں۔ مولانا فخر الدین مبارک شاہ غزنوی عرف کمانگر جو عہد علاء الدین محمد شاہ خلجی (۶۹۵ھ - ۷۱۵ھ) کے مشہور شاعر ہیں، اپنے فرہنگ نامے میں عوفی کا شعر نقل کرتے ہوے لکھتے ہیں:-

"مولانا سدید عوفی گوید ؎

شگفتہ نیست ایں معنی وگر برہان می باید عزیز مصر شد یوسف اگرچہ بود کنعانی"

ان بیانات کی روشنی میں تسلیم کرنا پڑتا ہو کہ عوفی کا صحیح لقب سدید الدین ہو محمد اس کا نام ہو جیسا کہ خود لکھتا ہو:-

---

[۱۵] SUPPL. PERSAN 95 BIBLIOTHEQUE NATIONALE PARIS

[۱۶] [BROWNE OR-G-3] تجارب السلف 3HA AND F 138 B

"چوں خادم دعا و ناشر ثنا محمد عوفی روے از ہمہ جہاں گردانیدہ[۵۱]"

اسی طرح "جوامع الحکایات" میں لکھتا ہے:-

"مولف کتاب محمد عوفی می گوید مثل این حکایت شنیدہ ام وقتے کہ بہ کنبہایت افتادہ بودم[۵۲]"

اس کے باپ کا نام بھی محمد ہے۔ چناں چہ "لباب الالباب" میں لکھتا ہے:-

"محرر ایں فصول و مقرر ایں وصول محمد بن محمد عوفی اصلح اللہ شانہ وصانہ عما شانہ می گوید[۵۳]"

ساتھ ہی "جوامع الحکایات" کی یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو:-

"مولف کتاب محمد بن محمد عوفی بخاری می گوید[۵۴]"

دادا کا نام یحییٰ بن طاہر بن عثمان تھا۔ اس کے تذکرے میں لکھتا ہے:-

"القاضی الامام شرف الدین سید المحدثین ابو طاہر یحییٰ بن طاہر بن عثمان العوفی رحمتہ اللہ .... جد مولف کتاب ......[۵۵]"

اس طرح مولف کا شجرہ نسب یوں پڑھنا چاہیے "محمد بن محمد بن یحییٰ بن طاہر بن عثمان العوفی"۔

وہ عبدالرحمٰن بن عوف کی اولاد میں ہے جو پیغمبر صلعم کے مشہور صحابہ میں سے تھے۔ اسی لیے عوفی کہلایا۔ "جوامع الحکایات" میں لکھتا ہے:-

---

۵۱ لباب الالباب (طبع لیڈن) ج۔ اوّل۔ ص۳

۵۲ جوامع الحکایات (نسخۂ انجمن) ورق ۱۲۸/ص۲

۵۳ لباب الالباب۔ ج۔ اوّل۔ ص۱

۵۴ جوامع الحکایات (نسخۂ انجمن) ورق ۹۸/ص۱

۵۵ لباب الالباب۔ ج۔ اوّل۔ ص۱۰۱

"چوں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ وفات رسید صحابہ جمع شدند واختلاف میان ایشاں قائم شد نزدیک بود کہ فتنہ پدید آید آں گاہ عبدالرحمٰن بن عوف کہ جد اعلائے مولف ایں تالیف و محرر ایں تصنیف است سخن آغاز کرد......[۵۱]"

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھتا ہے:-

"آوردہ اند کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہ جد مولف کتاب بود روزے بخدمت رسول صلعم آمد و از توانگری خود بنالید....[۵۲]"

مولف کا دادا قاضی ابوطاہر یحییٰ بن طاہر، ماوراء النہر کے مشہور علما اور ائمہ میں گزرا ہے۔ عوفی کا بیان ہے:-

"از بقیہ ائمہ وعلما بود و در علم حدیث و معرفت النساب عرب اسامی رجال و جرح و تعدیل مشار الیہ و در شرح شمائل و نشر فضائل او زبان بیطے نمی رود......[۵۳]"

اسی طرح مولف کا ماموں سید الحکما ملک الاطبا شرف الزمان امام مجد الدین محمد بن عدنان السرخکتی اپنے عہد کا سربرآوردہ طبیب اور بلند پایہ شخصیت کا مالک تھا۔ مولف کا بیان ہے کہ وہ:-

"از افراد و امجاد گیہاں بود......طبیبے مسیحا نفس کہ بہ مدد نظر کلف از رخ ماہ و اشک ہا از آفتاب دور کردے.......[۵۴]"

وہ ماوراء النہر کے خان، سلطان قلج طمغاج خاں ابراہیم بن حسین کا مصاحب

---

[۵۱] جوامع الحکایات (نسخہ انجمن) ورق ۹۴ (الف)

[۵۲] جوامع الحکایات (نسخہ انجمن) ورق ۳۷۵ (الف)

[۵۳] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل۔ ص ۱۷۵ [۵۴] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص ۲۴

تھا۔ جیسا کہ مولّف لکھتا ہے:۔

"وخال بندہ شرف الزمان مجدالدین عدنان در سلک خدمت آں پادشاہ منخرط[51]"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ماموں نے مولّف کی پرورش میں بھی کچھ حصّہ ضرور لیا ہے۔ اُس کا بیان ہے کہ:۔

"در ایامِ حیاتِ آں خال، تصحیفِ غم[52] گرد اونمی گشت وخال سپید حوادث را از دیدۂ حال او بکحل الجواہر تربیت بر می داشت ......[53]"

مولّف کا ممیرا بھائی جلال الدین ملک الاطبا صدر الحکما مسعود (ابن شرف الزمان مجدالدین عدنان) شہزادہ قلج ارسلان خاقان عثمان (بن سلطان قلج طمغاج خاں ابراہیم بن حسین) کے درباریوں میں تھا۔ چناں چہ مولف اس شہزادے کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

"وپسرِ او (خال مولّف) جلال الدین ملک الاطبا صدر الحکما مسعود در خدمت ایں شاہ زادہ مرتب ......[54]"

۷۔ مولّف کا وطن بخارا اور بخارا ہی اس کی تعلیم وتربیت کا گہوارہ ہے۔ اس دور کے متعلق اس کی تالیف میں اکثر اشارے ملتے ہیں، جن کا دہرانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ چناں چہ:۔

"مولّف کتاب می گوید استاد ابن ضعیف رکن الدین امام زادہ بخارا

---

[51] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل۔ ص۴۳

[52] "تصحیف غم" ــــ یعنی "غم" پاس نہ پھٹکتا تھا۔

[53] لباب الالباب ۔ ج۔ اوّل۔ ص۱۶۹

[54] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل۔ ص۴۳

در مدرسہ در فارخل رفارجک ، مجلس می گفت"[۵۱]

مولف کے ان استاد کا پورا نام امام رکن الدین مسعود بن محمد امام زادہ[۵۲] ہے۔ یہ ماوراء النہر کے مشاہیر علما میں گزرے ہیں۔ بخارا کی فتح کے وقت ۶۱۷ھ میں مغلوں کے ہاتھوں شہید ہوئے[۵۳] اور ایک استاد امام برہان الاسلام تاج الملتہ والدین عمر بن مسعود بن احمد ہیں[۵۴]۔ جن کے متعلق عوفی لکھتا ہے :-

" درآں وقت کہ ایں داعی بخدمت او تعلم می کرد۔ پیش او فائق زمخشری می خواند بہر وقت از لفظ او اقتباس کردے[۵۵]"

ایک اور استاد مولانا قطب الدین سرخسی ہیں۔ جن کے متعلق لباب میں لکھا ہے کہ :-

" من در خدمت او تحصیل ہا کردہ ام[۵۶]......"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بخارا کا تعلیمی دور ختم ہونے پر اُس نے علمی، تعلیمی اور ادبی مذاق کی نشوونما کی خاطر، نیز کسی معقول ذریعۂ معاش کی جستجو میں ماوراء النہر اور خراسان کے مختلف دیار و امصار، مثلاً سمرقند، آموی، خوارزم، مرو، نیشاپور، ہرات، اسفزار، اسفرائن، شہر نو، سجستان اور فرہ کا سفر کیا۔ اور ہر سرزمین کے علما، ائمہ، فضلا، مشائخ اور خاص کر شعرا کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے۔ ائمہ سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل کی اور شعرا سے اُن کا کلام سُنا، نقل کیا اور یاد رکھا۔ ان سیاحتوں کے دوران

---

۵۱ جوامع الحکایات۔ (نسخہ انجمن)۔ ورق ۲۷۴/۱

۵۲ لباب الالباب۔ ج۔ اوّل۔ ص۱۸۱

۵۳ لباب الالباب۔ ج۔ اوّل۔ ص۳۳۹

۵۴ لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص۱۶۹

۵۵ لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص۱۷

۵۶ لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص۲۱۱

میں وعظ و تذکیر کا مشغلہ جاری رہا۔ اسی مشغلے کے ذریعے سے امرا و سلاطین کی خدمت میں رسائی حاصل ہوتی رہی۔ اور انعام و اکرام ملتا رہا۔

یوں تو اُن ائمہ اور علما کی تعداد بہت زیادہ ہے جن سے مولف نے فیض حاصل کرنے کا اعتراف کیا ہے لیکن ہم یہاں صرف چند افراد کا تذکرہ کریں گے۔

الصدر الامام شمس الملتہ والدین حسام الائمہ محمد بن ابی بکر النسفی کے تذکرے میں کہتا ہے:۔

"در وقتے کہ در سمرقند سعادت خدمت او یافتم واز و اجازت احادیث شد۔ ہر بامداد آدینہ (در خانہ) در تیم خانون نوبت تذکیر عقد کردے[۵۱]۔"

خوارزم کے الصدر الامام العالم علاء الملتہ والدین شیخ الاسلام المحارثی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"مدتے مدید در خوارزم شہر بند شدہ من سعادت خدمت او دراِنجا دریافتم واز و اجازت احادیث در ستدم و در خدمت او روزے چند فوائد اقتباس کردم ....[۵۲]"

۴ جہاں تک معلوم ہے، عوفی نے سب سے پہلا سفر ۵۹۷ھ میں سمرقند کا کیا ہے۔ یہاں اس نے شہزادہ قلیج ارسلان خاقان نصرۃ الدین عثمان بن ابراہیم کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ ایک دو پانوں سے یہ شہزادہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے عوفی کو اپنا دبیر یا میر منشی مقرر کر دیا۔ عوفی کا مکمل بیان یہ ہے کہ:۔

"در رجب سنہ سبع و تسعین و خمسمائہ مولف ایں کتاب بہ سمرقند رفتہ بود و سلطان طمغاج خاں ابراہیم سقی اللہ ثراہ در حیوٰۃ بود و

---

۵۱ لباب الالباب ۔ ج ۔ اوّل ص۱۶۵

۵۲ لباب الالباب ۔ ج ۔ اوّل ص۲۰۹

تعارف

خال بندہ شرف الزمان مجد الدین عدنان در سلک خدمت آں پادشاہ
منخرط و پسر او جلال الدین ملک الاطبا صدر الحکما مسعود در خدمت
ایں شاہ زادہ مرتب و ظن آنست کہ دراں وقت ایں پادشاہ زادہ
در سن چہاردہ سالگی یا پانزدہ سالگی بیش ازیں نبود...... و ولی عہد
پدر بود و در ملک سمرقند و بندہ را بدو وسیلت در خدمت او اختلاط
افتاد۔ یکے آں بود کہ روزے در حضرت او میان دو کس از افاضل
سخن رفت۔ او از استاد خود بہاء الدین امیر عمید پرسید کہ "کدام بزرگ تر
است ازیں دو"؟ گفت "فلاں را با فلاں چہ نسبت؟
لَا یُقَاسُ الملائکۃ بالحدادین"، پادشاہ پرسید کہ "ایں سخن چہ بود"؟
گفت "ملائکہ را با آہنگراں چہ نسبت"؟ گفت "ایں چہ سخن باشد کہ
(ملائکہ) با حداد نسبت ندارند۔ با فہا دو فراد ہم نسبت ندارند" ہمانا
امیر عمید را ایں معنی معلوم نبود و سبب ایں مثل بسمع او نہ رسیدہ در آں
اندیشہ بماند و دراں مجلس از ہر کسے پرسید۔ بندہ آنجا حاضر بود۔
خدمت کرد و اجازت خواست کہ اگر فرمان بود تقریر کردہ آید کہ
پیش ازاں کہ بگوئی اختلاف میان ایں جماعت در آنست کہ مراد
ازیں حدادین آہنگرانست یا معنی دیگر، بارے ہمہ حال آہنگراں
نیست۔ پس بندہ گفت قول ابوبکر است رضی اللہ عنہ چوں ایں
آیت نازل شد لواحۃ للبشر علیہا تسعۃ عشر، ابوالبشر کہ از منکراں عرب
و متکبران بے ادب بود گفت انا اکفی ثمانیۃ عشر فاکفونی کلکم واحداً
گفت ازاں نوزدہ زبانیہ کہ بر در دوزخ باشند من ہژدہ را کفایت
کنم شما بجملہ عرب یکے را کفایت کنید۔ چوں امیر المومنین و خلیفہ رسول

رب العالمین ابو بکر رضی اللہ عنہ ایں سخن بشنید بر زبان راند
لایقاس الملائکۃ بالحدادین یعنی ملائکہ معصوم را با دربانان عہد
قیاس نتواں کرد و حداد بوآب را خوانند از بہر آں کہ معنی حدّ منع
است و بوآب مانع است مرمردماں را از در آمدن سرائے، و چوں
ایں فصل تقریر افتادہ براں احماد ارزانی داشت و الطاف پادشاہانہ
فرمود و روزے جمال الدین رشید کہ دبیر خاص او بود بجہت کج تگیں کہ
خواہر ایں پادشاہ در حکم او بود عنایت نامہ نوشتہ بودند و راثنار آں
نبشتہ کہ خواہر داند کج تگیں کہ بعز قرابت مخصوص است چوں بحضرت
او آورد کاتب را بر نجانید و گفت ندانی کہ شوہر خواہر قرابت نبود
برو و ایں را باز بنویس و خواست کہ آں را بدر راند، بندہ بہار الدین
امیر عمید را گفت فرمان باشد کہ بندہ آں را در نظر آرد، بہ بندہ داد
کارد پہ کشیدم و الف را از قرابت حک کردم قربت شد، پادشاہ
احسان و تحسین ارزانی فرمود و دیوان انشا بر اسم بندہ کرد و مدتے در
خدمت او بماندم ....[1]؛

سمرقند کے اس سفر کو اُس کا سب سے پہلا سفر قرار دینا اس امر پر مبنی ہے کہ
وہ اسی سال بخارا میں بھی موجود تھا جیسا کہ اشرفی سمرقندی کے تذکرے میں لکھتا ہے:-

"و در شہور سنہ سبع و تسعین و خمس مائۃ (۵۹۷ھ) او در او در بخارا در مدرسہ
سفینہ و یدہ آمد ......[2]"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہزادہ نصرۃ الدین کے دربار میں زیادہ عرصے تک

---

[1] لباب الالباب - ج - اوّل - صفحہ ۴۴ و ۴۵

[2] لباب الالباب - ج - دوم ص ۳۹۱

نہیں ٹھیرا، کیوں کہ جلد ہی یعنی سنہ ۶۰۰ھ میں ہم اسے خراسان کے علاقے میں گرمِ سفر دیکھتے ہیں۔ چناں چہ مجد الدین محمد الپائیزی کے ذکر میں لکھتا ہو:۔

"و در شہور سنہ ستمایہ او را در نسا دیدم و شاہنشاہ نامہ می ساخت و وقائع سلطان خوارزم شاہ را نظم می کرد[1]"

سنہ ۶۰۳ھ میں وہ نیشاپور میں موجود ہو[2]۔ سنہ ۶۰۷ھ کے بعد ہم اسے اسفزار میں پاتے ہیں[3]۔ انھی سیاحتوں کے دوران میں ایک مرتبہ جب وہ شہر نو کی طرف جا رہا تھا، راستے میں ایک جگہ ڈاکوؤں نے اس کا اسباب لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ سواری کے گھوڑے تک سے محروم ہونا پڑا۔ شہر نو پہنچ کر اس نے نصرۃ الدین کبود جامہ کی خدمت میں ایک رباعی لکھ کر بھیجی۔ اُس کا بیان ہو:۔

"وقتی در اثنار دور و سیر مؤلف این مجموع بحضرت او رسید در شہرک نو

---

[1] لباب الالباب۔ ج۔ دوم۔ ص ۳۴۵۔

[2] لباب الالباب ص ۲۶۷۔ بحوالہ جوامع الحکایات۔

[3] علار الملک ضیار الدین ابوبکر احمد الجاجمی کے تذکرے میں لکھتا ہو:۔

"دراں وقت کہ مؤلف این مجموعہ در اسفزار بحضرت او رسید داعی را بکمال تربیت او پایمردی کرد تا در خدمت او بماند...... وقتی در خلوت می فرمود کہ مرا پیوستہ آرزو آں بود کہ ائمہ ماوراءالنہر و خراسان را بینم و مجلس وعظ ایشاں را استماع کنم تا اتفاق سفر خطا افتاد و در بلاساغون رفتم........"

جیسا کہ بعد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہو، علار الملک کا یہ سفر وہ سفر ہو جو سلطان محمد خوارزم شاہ کی معیت اور ہم رکابی میں پیش آیا۔ اور خوارزم شاہ اور قراخطائی سردار تاینگو میں جنگِ عظیم واقع ہوئی جس میں تاینگو شکست کھا کر اسیر ہوا۔ چوں کہ یہ جنگ سنہ ۶۰۷ھ میں واقع ہوئی ہو، اس لیے ظاہر ہو کہ علار الملک کی خدمت میں عوفی کی حاضری اس سن کے بعد ہوئی ہوگی۔ لباب الالباب ص ۱۰۲۔

وبندہ صاحب رقعہ بود کہ قطاع الطریق اسپان وقماش بردہ بودند وبندہ
پیادہ ماندہ۔ چوں بہ شہر نور رسیدم چوں چراغ کہن خواستم کہ بحضرت
او پناہ طلبم......فرصت نمی شد کہ دانش مندا اورا بیند و داعی بے برگ
و مستعجل یک رباعی انشا افتاد و بخدمت او فرستادہ شد و آں ایں بود ؎

ای شاہ ببذل بحر وکانے دگری	در قالب ملک وعدل جانے دگری
زاں روے کبود جامہ می خوانندت	کز رفعت و قدر آسمانے دگری

چوں ایں رباعی را بخواند، احسان وتحسین ارزانی فرمود وگفت فرصت
تذکیر شمردن ندارم ملتمس چیست، مارا اعلام دہ، داعی ایں یک بیت
فرو نبشت ؎

ہر چند کہ بر بساط شطرنج ہنر	امروز شہم، پیادہ می باید رفت

در حال بہ فرمود تا اسپے تنگ بستہ بخانقاہ آوردو تسلیم کرد و بمواعید بسیار
مستظہر گردانید۔ داعی ہم از انجا سوار شدہ رحلت کرد او را نادیدہ و
بمجاورہ او مستسعد نا شدہ [۱]"

۱ اس کی سیاحتوں کو تاریخ وار ترتیب دینا تو بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے کیوں کہ
اس نے سن وتاریخ بتانے میں حد درجہ بے پروائی کی ہے۔ اس لیے یہاں صرف
بعض اور مقامات کی سیاحت کی طرف اشارے کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ خوارزم
کے قیام کے متعلق شرف بن المؤید بغدادی کے تذکرے میں لکھتا ہے:۔
" و روزے در خوارزم از لفظ مبارک او شنیدم [۲]"
ایک فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سیاحتوں کے دوران میں (کم از کم

---

[۱] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل صفحہ ۵۱ و ۵۲۔

[۲] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل۔ ص ۲۳

ایک مرتبہ ضرور) اپنے وطن (بخارا) بھی واپس آیا ہے۔ اپنے استاد زادے نظام الملتہ والدین محمد بن عمر مسعود کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"وقتے کہ داعی کہ مولّف ایں اوراق است از مرو مراجعت می کرد و بہ بخارا می رفت روزے چند در آموی بخدمت او استیناس طلبیدہ آمد........"[1]

نیشاپور میں کافی عرصے تک قیام رہا ہے۔ امام فخر الدین محمد الرزخانی کے ذکر میں کہتا ہے:۔

"و مدتے در شہر نیشاپور بمصاحبت یک دیگر بودیم و میان این ضعیف و میان او مشاعرات تازی و پارسی و مکاتبات وایراد آں جملہ باطالت انجامد"[2]

نیشاپور کے دیہات میں بھی گھوما ہے۔ چناں چہ سلطان علاء الدین محمد بن تکش خوارزم شاہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"و در شہر نیشاپور در دیہہ شبتقان (شبرقان) کہ در اطراف جہاں موضع ازاں خوشتر کم نشان دادہ اند، باعے است ملک خداوند ملکہ ترکان دامت ملکہا و رانجا بخط ایں پادشاہ رباعی دیدم نبشتہ"[3]

سفر ہرات کے بارے میں امام بدر الدین بن نور الدین الہروی کے ذکر میں لکھتا ہے:۔

"و در ہرات بمجاورۂ او مستانس شدم و از لطائف الفاظ او ذخیرہ نہادم"[4]

---

[1] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص۱۷۵

[2] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص۲۱۸

[3] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص۴۳۔ [4] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص۲۵

سفر اسفزار کے متعلق مہذب الدین سید الکتاب منصور بن علی الاسفزاری کے تذکرے میں لکھتا ہے:۔

" دراں وقت کہ ایں پر اسف زار با سفزار رسید. بمحاورۂ او آسایشہا یافت"[۵۱]

اسفرائن آنے کی اطلاع عماد الدولہ والدین موئد بن احمد الاسفرائنی الکاتب کے تذکرے میں ملتی ہے:۔

" در اسفرائن پسر اورا دیدم کہ تعلیم می کرد۔ و دراں وقت کہ ایں داعی آنجا رسید روزے چند قصیدۂ از قصائد جمال العرب ابوالعباس ابیوردی پیش ایں داعی بخواند[۵۲]......"

سجستان کے قیام کے متعلق، امیر ناصر الدین عثمان بن حرب السجزی کے تذکرے میں لکھتا ہے:۔

" و دراں وقت کہ مؤلف ایں ترتیب بہ سجستان بود امیر ناصر الدین برحمت ایزدی پیوستہ و ولی عہد او ملک یمین الدین بہرام شاہ بود کہ ایں ساعت ممالک سجستان در ضبط اوست[۵۳]......"

فرہ کے سفر کے باب میں امام شرف الدین محمد بن محمد الفراہی کے ذکر میں لکھتا ہے:۔

" وقتے کہ ایں داعی را بر فرہ گزارے افتاد فلک بمصاحبت او مباشات نمود[۵۴]........"

---

۵۱ لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص۱۵۹

۵۲ لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص۱۲۷

۵۳ لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص۵۰

۵۴ لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص۲۵۹

سیستان کے قیام کی اطلاع امام شمس الملۃ والدین محمد بن نصیر السجزی کے تذکرے میں ملتی ہے:۔

"وقتے در سیستان از سجزی شنیدم ....."[1]

لاہور کا تذکرہ امام ابوجعفر عمر بن اسحٰق الواشی کے حالات میں ملتا ہے:۔

"و در لوہور از خواجہ ادیب شرف الدین احمد دماوندی شنیدم ..."[2]

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، ان سیاحتوں کے دوران میں مولف کا شغلہ وعظ و تذکیر رہا ہے۔ یہاں دو تین حوالے دینے نامناسب نہ ہوں گے۔ "جوامع الحکایات" میں لکھتا ہے:۔

"در وقتے در نیشاپور بذکرے تذکیر می گفت و سائلے از من پرسید ....."[3]

ایک اور جگہ لکھتا ہے:۔

"در وقتے کہ در نیشاپور لطیف طبعے از مولف ایں کتاب سوال کرد در اثنائے وعظ ...."[4]

لباب الالباب میں لکھتا ہے:۔

"وقتے کہ مولف ایں مجموعہ در اسفزار بحضرت او رسید ...... و ہر ہفتہ روز آدینہ نوبت تذکیر عقد کردے و شرف استماع ارزانی داشتے ..."[5]

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، عوفی ۶۱۰ھ کے بعد تک بلاد خراسان میں نظر آتا ہے۔ اس کے بعد (غالباً) مغلوں کی جہاں آشوب آمد اور خوں ریز یلغار کی ابتدا میں، جب ماوراءالنہر اور خراسان کے علاقوں سے مظلوم مسلمانوں نے ہجرت اختیار کی، عوفی کو بھی ایک نیا راستہ اور وسیلہ نظر آیا، اور وہ سلطان ناصر الدین قباچہ والیِ سندھ و ملتان کے دربار میں چلا آیا۔

---

[1] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل۔ ص ۲۵۱ ۔ [2] لباب الالباب۔ ج۔ اوّل ص ۲۸۴

[3] جوامع الحکایات (نسخۂ انجمن)، ورق ۹۶ (الف) ۔ [4] جوامع الحکایات (نسخۂ انجمن) ورق ۱۰۲ (ب)

[5] لباب الالباب ج اول ص ۱۱۵

ناصرالدین قباچہ سلطان معزالدین محمد بن سام غوری کے اُن خوش نصیب غلاموں میں سے تھا جنھوں نے ہندوغزنین کے مختلف علاقوں میں بادشاہتیں کیں۔ ۶۰۲ھ سے ۶۲۵ھ تک اُس نے سندھ اور ملتان (اور کچھ عرصے تک پنجاب) میں سلطنت کی۔ فیاض اور مہماں نواز تھا۔ یہی سبب ہے کہ مغولی آمد کے ہنگاموں سے جان بچا کر خراسان اور غور وغزنین کے متعدد شرفا اس کے دربار میں چلے آئے تھے۔ اور اس کے سایۂ عاطفت میں پناہ گزیں تھے۔ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ عوفی کس ماہ وسال میں سندھ پہنچا؟ البتہ دو باتیں یقینی ہیں، اوّل یہ کہ وہ ۶۱۷ھ سے پہلے سندھ پہنچ چکا ہے۔ اور دوسری یہ کہ ۶۲۵ھ تک ناصرالدین قباچہ کے دامن دربار سے وابستہ رہا ہے۔ اس دوران میں کچھ عرصے تک کھمبایت[1] میں بھی رہا ہے۔ ڈاکٹر نظام الدین کہتے ہیں کہ وہ یہاں قاضی مقرر تھا۔ اوّل الذکر امر کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ بہار الدولۃ والدین علی بن احمد الجاجی کے تذکرے میں لکھتا ہے۔

"وقاصدان او آخر ماہ رمضان سنہ سبع عشرۃ وستامیہ (۶۱۷ھ) بحضرت اعلیٰ ارسیدند[2]۔"

اس زمانے میں مولف نے عید کے دن جو خطبہ پڑھا ہے اس میں بہار الدولہ کی فتوحات اور سلطان ناصرالدین قباچہ کی جہاں گیری کا ذکر کیا ہے[3]۔

ثانی الذکر امر کا ثبوت یہ ہے کہ ناصرالدین قباچہ نے ۶۲۵ھ تک حکومت کی اور عوفی آخر وقت تک اس کے ساتھ رہا۔ اس زمانے میں جو ۶۱۷ھ کے درمیان

---

[1] "مولف کتاب محمد عوفی می گوید مثل ایں حکایت شنیدہ ام وقتے کہ بہ کھنبایت افتادہ بودم ۔ ۔ ۔ ۔"
(جوامع الحکایات ۔ ورق ۱۳۱/۱)

[2] لباب الالباب ۔ ج ۔ اوّل ص۱۱۵ ۔ [3] ...... نہذا ابن الجاجی خرج کقدح ابن مقبل تبات اللاکر محبل فدوخ البلاد وروح العباد ولم شعث بلاد الہند وصحح سقیمہ وشح اعناق منابرہا بالخطب المحبرۃ بالقاب ناصرالدین الامام وقیمہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" (لباب الالباب ج ۔ اوّل ص۱۱۵)

اور ۶۲۵ھ کے درمیان گزرا، اس نے نہ صرف اپنی پہلی اہم کتاب "لباب الالباب" مکمل کر کے قباچہ کے وزیر عین الملک فخر الدین الحسین بن شرف الملک رضی الدین ابی بکر الاشعری کے نام نذر کی، بلکہ ناصر الدین قباچہ کے حکم سے اپنی دوسری کتاب[۲] "جوامع الحکایات ولوامع الروایات" کی تالیف وترتیب بھی شروع کر دی تھی۔ وہ اپنی اسی تالیف میں مشغول تھا کہ ۶۲۵ھ میں سلطان شمس الدین التمش (بانی سلسلۂ سلاطین شمسیہ) نے سندھ پر لشکر کشی کی اور آچہ کا محاصرہ کر لیا۔ ناصر الدین قباچہ نے دُور اندیشی سے اپنا مال واسباب اور خدم وحشم بھکر کے قلعے میں منتقل کر دیا اور خود بھی وہیں قلعہ بند ہو گیا۔ شمس الدین التمش بذاتِ خود آچہ کے محاصرے میں مصروف ہوا اور اپنے وزیر قوام الدولہ نظام الملک جنیدی[۱] کو بھکر کا محاصرہ کرنے کے لیے بھجوا دیا۔ ماہ جمادی الاول میں آچہ اور ماہ جمادی الاخریٰ میں قلعہ بھکر فتح ہو گیا۔ قباچہ نے مجبور ہو کر اپنے بیٹے علاء الدین بہرام شاہ کو اپنے مال واسباب اور خزانوں کے ساتھ شمس الدین التمس کی خدمت میں بھیجا اور معافی چاہی۔ التمش نے حکم دیا کہ خود

---

[۱] نظام الملک جنیدی (جو قباچہ اور اس کے وزیر عین الملک کے بعد عوفی کا ممدوح تھا) ابتدا میں سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ تا ۶۳۳ھ) کا وزیر رہا۔ اور اس کے عہد میں کارہائے نمایاں کیے۔ اس کے بعد التمش کے فرزند رکن الدین فیروز شاہ (۶۳۳ تا ۶۳۴ھ) کا وزیر مقرر ہوا۔ مگر جب اعیانِ حکومت نے رکن الدین کے خلاف شورش برپا کی تو وہ بھی ان کا شریک ہو گیا۔ فیروز شاہ کی گرفتاری اور اس کی بہن سلطان رضیہ بنت سلطان التمش کے تخت نشینی پر نظام الملک اور دوسرے مخالفین بدستور مخالفت پر کمر بستہ رہے۔ سلطان رضیہ نے بہ لطائف الحیل بہت سے امرا کو اپنے ساتھ ملا لیا، باقی فرار ہو گئے۔ نظام الملک بھی انھی فراریوں میں شامل تھا۔ رضیہ کے سواروں نے ان بھگوڑوں کا تعاقب کیا، اور بہتوں کو قید اور قتل کیا۔ نظام الملک کوہ سرمور کی طرف بھاگ گیا۔ اور وہیں ۶۳۴ و ۶۳۷ھ کے مابین (جو رضیہ کی سلطنت کا زمانہ ہے) وفات پائی۔

حاضر ہو۔ قباچہ نے یہ ننگ گوارا نہ کی اور زندگی پر موت کو ترجیح دے کر شنبہ کی رات ۱۹ جمادی الآخرۃ ۶۲۵ھ کو بھکر کے قلعے سے دریائے سندھ میں گرا اور ڈوب کر مرگیا۔

قباچہ کے مرنے کے بعد اس کے متوسلین التتمش سے جا ملے۔ انھی میں عوفی بھی تھا اور جیسا کہ لکھا جا چکا ہے اُس وقت "جوامع الحکایات" مرتب کر رہا تھا۔ بھکر کی فتح اور ناصر الدین کی وفات کے بعد اُس نے اس کتاب کو التتمش کے وزیر نظام الملک محمد بن ابی سعد الجنیدی کے نام معنون کر دیا۔ جیسا کہ خود اس کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

"........ ودریں احیان مولف ایں مجموع دراں حصار بود۔ و از قبل امیر ناصر الدین بتالیف ایں حکایات و ترتیب ایں روایات مامور مہندس فکرت بنائے ایں را تمہید بود اما پیندے نیافتہ بود کہ ناگاہ کنگرہ قصر حیات ناصری بزلزال زوال گرفتار شد و ایں مجموع نامرتب و ایں ابواب ناممذب بماند۔ تا بشے ہمت براتمام آں مقصور گشت و اقبال صاحب صاحب قران و آصف سلیمان زمان ضاعف جلالہ درگوش من فرو خواند کہ در اتمام آں فوائد بسیار است........ آفتاب ملک جلال را تیغ کردہ شد۔ و جواہر حکایات و لآلی روایات پراگندہ شدہ در سلک انتظام کشیدہ آمد و ازاں عقدے بہ ترتیب افتاد کہ قلادہ بر..... دولت نظام الملکی سلطان الوزرائے ضاعف اللہ قدرہ نوا ند بود [۱]"

نئے آقا کی خدمت میں اس نے کتنا زمانہ گزارا، اور کب انتقال کیا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب، موجودہ معلومات نہیں کوئی امر غیبی ہی دے سکتا ہے۔

اس موقع پر یہ لکھنا غیر ضروری نہ ہوگا کہ "لباب الالباب" اور "جوامع الحکایات" جیسی اہم کتابوں کے علاوہ مولف، دو اور کتابوں کا بھی مالک ہے جو اسی دوران میں لکھی گئیں۔ اوّل قاضی ابی علی المحسن بن علی بن محمد بن داؤد التنوخی المتوفی ۳۸۴ھ

---

[۱] جوامع الحکایات ولوامع الروایات۔ ورق ۱ب

کی کتاب "الفرج بعد الشدۃ" جس کا عوفی نے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ چناں چہ "جوامع الحکایات" میں لکھتا ہے:-

"و قاضی محسن تنوخی کتاب الفرج بعد الشدۃ تالیف کردہ است اندریں معنی و آں کتابے مقبول و مرغوب است و مولف آں کتاب را بہ لغت پارسی ترجمہ کردہ است و بیشتر حکایات آں دریں مجموع مسطور است۔"

یہ ترجمہ بھی امیر ناصر الدین قباچہ کے نام سے منسوب ہے۔

دوسری (نامعلوم) کتاب "مدائح السلطان" ہے جس کے متعلق کہتا ہے:-

"مداعی دولت ایں معنی را در کتاب مدائح السلطان لباس نظم پوشانیدہ است[1]"

یہ کتاب غالباً قصائد کا مجموعہ ہوگی۔

آخر میں مولف کی شاعری (جس کی مثالوں سے ہم جوامع الحکایات کے مطالعے کے وقت قدم قدم پر دوچار ہوتے ہیں) کے نمونے کے طور پر اس کا ایک قطعہ درج کیا جاتا ہے جو وزیر نظام الملک جنیدی کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے ؎

آصف ثانی فرخندہ نظام الملک آں کاسمانست پے خدمت او پشت دوتاہ

آں جنیدی نسب و خلق کہ در راہ کرم اوست برجملہ اکابر برمثل خسرو شاہ

آنکہ درگاہ جلالش را اشراف و ملوک قبلۂ حاجت سازند بعلو جاہ

بحر انعامش بر خلق جہاں گشت محیط کہ در و دہم مہندس نہ کند ہیچ شناہ

اے شدہ بحر کفت عبرت کان و دریا وے شدہ خاک درت مایہ دہ دولت و جاہ

ہست از روی کلکت سر نصرت بہتر ہست از تیغ کبود تو رخ خصم سیاہ

[1] جوامع الحکایات۔ ورق ۱۸۷/۲ ب

صاحبا قصهٔ داعی بہ کرم اصغا کن — کہ بتنگ گشت کنوں قصهٔ او در افواہ

داعی مخلص عونی کہ ز احداث زماں — می شود خوں دل مسکینش روزے صد راه

گرچہ در مرتبہٴ رابع عقل ہنر است — صفر و احاد بود حاصل او یعنی آه

مدتے بود بر امید حصول اغراض — ہمچو دربان گراں معتکف ہر درگاه

رنگ و بوئے کرم از کس چو ندید و نشنید — با چنیں تحفہ دگر بار بتو داد پناه

ذات او ہست نہالے بکرم آب بخش دہ — چہ شود تازہ پس از وے ثمر معنی خواه

او زباں کرد ازیں پس بمدیح تو دراز — تو از و دست حوادث ز کرم کن کوتاه

تاکہ در نور ضیا ماہ نباشد چوں خور — تاکہ در مرتبہ فرزیں نبود ہمچوں شاه

دشمنِ جاه تو در حبس ابد باد چناں

کہ بروں ناید از و ہرگز چوں سایہ ز چاه[1]

اختر شیرانی

---

[1] جوامع الحکایات - ورق ۳۱۷ ب و ۱۸۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد اوّل

بابِ اوّل

در معرفتِ آفریدگارِ تعالیٰ

(۱) حکایت۔ خُدا کی ہستی پر دلیل

کسی زندیق نے جعفر محمد صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ "دُنیا کے بنانے والے کی ہستی پر کون سی دلیل ہے ؟"۔

جعفر نے پُوچھا "کبھی کشتی پر بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے"؟ زندیق بولا "ہاں"

جعفر نے سوال کیا "دریائی طوفان سے پالا پڑا ہے"؟

زندیق نے جواب دیا "ہاں، ایک مرتبہ میں کشتی پر سوار تھا کہ طوفان آیا اور اس زور سے آیا کہ کشتی پارہ پارہ ہوگئی اور میں ایک تختے پر بیٹھا رہ گیا، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد طوفان کا ایک جھونکا ایسا آیا کہ میں تختے سے جُدا ہوگیا اور غوطے کھاتا ہوا ساحل پر جا پڑا"۔

جعفر نے کہا "جس وقت تو کشتی میں بیٹھا تھا، اُس وقت تجھے کشتی پر اعتماد تھا۔ پھر جس وقت کشتی ٹوٹ گئی اور تو ایک تختے پر بیٹھا رہ گیا، اُس وقت تجھے تختے پر اعتماد تھا۔ اب یہ بتا کہ جب تختہ بھی تجھ سے چھوٹ گیا تب تجھے کس پر اعتماد تھا"؟

زندیق خاموش رہا۔ جعفر نے کہا "اُس وقت تیرا سہارا صِرف خُدا کی ذات تھی اور تجھے اُسی کے فضل و رحمت پر اعتماد تھا۔"

یہ سُن کر وہ زندیق مُسلمان ہو گیا۔

---

(۴) حکایت - وحدانیت کا اقرار

ایک دن امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں بیٹھے تھے کہ چند زندیق آگھسے اور اُن کو قتل کر دینا چاہا۔

یہ رنگ دیکھ کر امام نے فرمایا "پہلے میری ایک بات سُن لو۔ اُس کے بعد جو چاہو کرنا۔"

زندیقوں نے کہا "کیا کہنا چاہتے ہو، کہو۔"

امام نے فرمایا "میں نے ایک کشتی دیکھی ہے کہ اُس میں بے حساب مال لدا ہوا تھا مگر وہ بغیر کسی ملاح کے دریا میں سیدھی چلی جا رہی تھی۔"

زندیقوں نے کہا "یہ قطعی ناممکن ہے کیوں کہ ملاح کے بغیر کشتی کی حرکت کا صحیح ہونا مشکل ہے۔"

امام نے فرمایا "خوب، تو کیا اس سفلی اور علوی دُنیا، زمین آسمان اور ستاروں کے نظام کے مقابلے میں ایک کشتی کا انتظام، ملاح کے بغیر

بہت دشوار ہو؟ اگر تم لوگوں کی عقل نہیں مانتی کہ کسی نگہبان اور مددگار کے بغیر ایک کشتی سیدھا راستہ طے کرسکتی ہو تو اتنی بڑی دُنیا کا کاروبار کسی نگہبان اور مددگار کے بغیر کیوں کر انجام پا سکتا ہو؟"

یہ سُن کر زندیق لاجواب ہوگئے۔ اور اُن میں سے اکثر نے خُدا کی ہستی اور وحدانیت کا اقرار کرلیا۔

---

(۲) حکایت۔ ایفائے عہد

حجاج بن یوسف ایک مرتبہ خارجیوں کے ایک گروہ کو سزا دے رہا تھا، کہ اتنے میں اذان کی آواز آئی۔ اُس وقت صِرف ایک شخص باقی رہا تھا۔ حجاج نے عنبسہ سے کہا کہ اسے اپنے ساتھ لے جا۔ کل صبح حاضر کرنا تاکہ سزا تجویز کی جائے۔ مگر دیکھنا اچھی طرح نگرانی کرنا۔ کہیں فرار نہ ہو جائے۔"

عنبسہ بیان کرتا ہو کہ جب مَیں اُس خارجی کو ہمراہ لیے اپنے گھر کی طرف روانہ ہُوا تو اُس نے راستے میں مجھ سے پُوچھا "تم سے کسی قدر نیکی کی اُمید بھی رکھی جا سکتی ہو؟"

مَیں نے جواب دیا "بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ شاید خُدا مجھے توفیق دے اور میں تم سے نیکی کا سلوک کرسکوں۔"

اُس شخص نے کہا "خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہُوں کہ جو الزام مجھ پر لگایا گیا ہو، میں اُس سے بَری ہُوں۔ مَیں نے کسی مُسلمان کو نقصان نہیں پہنچایا۔ نہ کسی مُسلمان سے جنگ کی۔ لیکن جانتا ہُوں کہ خُدا کا حُکم برحق ہو اور مَیں اُس کی رحمت اور معافی سے مایوس نہیں ہُوں، کیوں کہ وہ بے گناہوں کو

سزا نہیں دیتا۔ تم سے اتنی درخواست ہے کہ مجھے اپنے گھر جانے کی اجازت دو تو بڑا ہی احسان کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بال بچوں کو رخصت کر آؤں مستحقوں کے حق ادا کر آؤں اور اپنی وصیت لکھ کر چھوڑ آؤں، میں یقین دلاتا ہوں کہ ان باتوں سے فارغ ہو کر کل صبح تمھاری خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

عنبسہ کہتا ہے کہ "اُس کی بات سُن کر مجھے ہنسی آگئی۔ مگر میں نے کچھ جواب نہ دیا۔ مجھے خاموش پا کر اُس نے پھر اپنی بات دہرائی۔ میں اپنے دِل میں سوچنے لگا کہ خُدا پر بھروسہ کر کے اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ شاید واپس آجائے۔ نہ آئے تو ممکن ہے حجاج اسے بھول ہی جائے۔

یہ سوچ کر میں نے اُس سے کہا "جاؤ، لیکن پکا وعدہ کر کے جاؤ کہ کل صبح ضرور آجاؤ گے۔"

اُس شخص نے جواب دیا "میں خُدائے تعالیٰ کو گواہ کر کے وعدہ کرتا ہوں کہ کل علی الصباح لوٹ آؤں گا۔"

"چناں چہ میں نے اُسے جانے دیا۔ جب وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا تو میں اپنی نیکی کے جذبے اور جوش سے نکل کر ہوش میں آیا اور سوچنے لگا کہ میں نے یہ کیا کیا۔ بیٹھے بٹھائے حجاج کے عتاب میں پھنس گیا۔"

الغرض اسی پریشانی اور پشیمانی کی حالت میں گھر پہنچا اور گھر والوں کو سارا قصّہ کہہ سُنایا۔ سب نے مجھے لعنت ملامت کی اور میری ہی طرح وہ بھی پریشان اور فکر مند ہو گئے۔

"ہم سب گھر والوں کے حق میں وہ رات اس طرح گزری جس طرح سانپ کے ڈسے ہوئے لوگوں یا مُردہ بچّے کی ماں پر گزرتی ہے۔ دہشت اور بے چینی کے مارے کسی کی پلک تک نہ جھپکی۔ ع

باب اوّل

آنکھوں میں کٹی وہ رات ساری

"ابھی مشرقی اُفق سے سورج کی کرنیں اچھی طرح نمودار نہ ہوئی تھیں کہ کیا دیکھتا ہوں وہی شخص سامنے سے چلا آتا ہے"

اُسے دیکھ کر مجھے بہت تعجب ہوا اور میں نے پوچھا، اے جواں مرد! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ بھلا کوئی شخص موت کے منھ سے نکل کر پھر موت کے منھ میں آتا ہے"؟

اُس نے جواب دیا "ہاں، وہ شخص، جس کو خُدا کی معرفت نصیب ہو چکی ہو اور جو اُس کی قدرتِ کمال کا قائل ہو۔ ایسا شخص اگر کسی سے عہد کرے تو اُسے پورا کرنا چاہیے"۔

الغرض میں اُسے ہمراہ لے کر حجاج کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس کی سچائی اور وعدہ وفائی کا تمام واقعہ کہہ سنایا۔ یہ سُن کر حجاج نے مجھ سے پوچھا "کیا تو چاہتا ہے کہ میں اس کو تجھے بخش دوں؟"

میں نے جواب دیا "امیر کی مہربانی ہے۔ بندہ بہت ممنون ہوگا"۔

حجاج نے اُسے میرے حوالے کر دیا اور میں نے اُسے آزاد کر دیا۔ چلتے وقت اُس کے منھ سے شکریے کا ایک لفظ تک نہ نکلا۔ اِس سے قدرتاً مجھے تکلیف ہوئی۔ مگر یہ کہہ کر چُپ ہو رہا کہ "دیوانہ آدمی ہے"۔

دوسرے دن وہ میرے پاس آیا اور بہت کچھ معافی چاہ کر بولا "کل میں نے تمھارا شکریہ اس لیے ادا نہیں کیا کہ میں تمھارے شکریے کو خُدا کے شکریے کے ساتھ شریک کرنا نہ چاہتا تھا۔ چُناں چہ کل کا سارا دن میں نے صرف خُدائے تعالیٰ کی شکر گزاری میں گزارا۔ اس سے فارغ ہو کر آج تمھارے پاس آیا ہوں کہ تمھاری نیکی کا حق ادا کروں"۔

"یہ کہہ کر اُس نے دوبارہ معافی چاہی اور رخصت ہوا"۔

باب ششم

در فضلِ عدل

(۱) حکایت۔ ہندو راجا کا اِنصاف

مؤلف کتاب محمد عوفی کہتا ہے کہ ایک ایسی ہی حکایت میں نے اُس وقت بھی سُنی تھی، جب مجھے کھمبایت جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ شہر گجرات نہروالہ کے اضلاع میں سے ہے اور ساحلِ دریا پر آباد ہے۔ یہاں خوش عقیدہ، پاک مذہب اور مسافر نواز سُنّی مسلمانوں کی ایک جماعت سکونت پذیر ہے۔ زیادہ آبادی ہندوؤں کی ہے مگر ایک مختصر سی تعداد میں آتش پرست بھی بستے ہیں۔

مسلمان جماعت کی زبانی سُننے میں آیا کہ رائے جے سنگھ کے عہدِ حکومت میں، اس شہر میں ایک جامع مسجد تھی جس کے مینار پر چڑھ کر موذن اذان دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ پایکوں کے اُکسانے سے کافروں نے مسلمانوں پر حملہ کردیا اور اسّی مسلمان تلوار کے گھاٹ اُتار دیے۔ مسجد جلادی اور مینار مسمار کردیا۔ مسلمانوں کا خطیب، جس کا نام علی تھا۔ بھاگ کر نہروالہ آیا اور راجا تک فریاد پہنچانے کی کوشش کی لیکن ہندو درباریوں نے مذہبی تعصّب کی بِنا پر راجا تک اُس کی رسائی نہ ہونے دی۔

ایک دن راجا نے شکار کا ارادہ کیا۔ خطیب غریب کو موقع ہاتھ آیا۔

راجا کی شکارگاہ کے راستے میں ایک درخت کی اوٹ میں جاکر بیٹھ رہا۔ راجا کی سواری پہنچی تو جھپٹ کر سامنے آیا اور راجا کو قسمیں دیں کہ ہاتھی ٹھیرا لے اور اس کی گزارش سُن لے۔

جب راجا نے ہاتھی ٹھیرایا تو خطیب نے کھمبایت کے دردناک حادثے کی پوری تفصیل جسے وہ ہندی اشعار کی صورت میں لکھ کر لایا تھا، راجا کے گوش گزار کی۔ یہ سرگزشت سُن کر راجا نے خطیب کو ایک مصاحب کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ اس کی حفاظت اور خاطر مدارات کی جائے اور دوبارہ حکم ملنے پر پیش کیا جائے۔

شکار سے لوٹنے پر راجا نے اپنے وزیر کو بُلا کر کہا کہ میں تین دن تک نہ تو محلات سے باہر نکلوں گا اور نہ کسی کو باریابی کی اجازت دوں گا۔ اس لیے تم امورِ سلطنت کی اچھی طرح نگرانی رکھنا اور مجھے تنگ نہ کرنا۔"

اُسی رات راجا جے سنگھ ایک سانڈنی پر سوار ہو کر تن تنہا کھمبایت کی طرف چل پڑا۔ نہروالے سے کھمبایت چالیس فرسنگ کی مسافت پر ہے۔ راجا نے ایک رات اور ایک دن برابر سفر کیا اور دوسرے دن شام کو کھمبایت آ پہنچا۔ پایکوں کا بھیس بدل، تلوار کمر میں ڈال رات کے اندھیرے میں شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ شہر کے بارونق حصّوں اور بازاروں میں ہر موڑ اور ہر ناکے پر ٹھیر ٹھیر کر سن گن لی اور پوچھ گچھ کی۔ ہر ایک کی زبانی یہی سُننے میں آیا کہ مسلمانوں پر بڑا ظلم ہوا اور بے چارے بے گناہ بے قصور مارے گئے۔ مسلمانوں کی مظلومی کا یقین ہونے پر راجا شہر سے نکلا۔ دریا کے پانی سے اپنی چھاگل بھری اور نہروالے کی طرف روانہ ہوا۔ تیسرے روز رات کے وقت اپنی راج دھانی میں آ پہنچا۔

صبح کو دربار ہوا۔ مصاحبوں اور درباریوں کو بار ملا۔ راجا نے خطیب کو جس مصاحب کے حوالے کیا تھا اس کو حکم دیا کہ اُسے پیش کرے۔ جب وہ اُس کو لے کر حاضر ہوا تو راجا نے خطیب سے خطاب کرکے کہا "اپنا معاملہ پیش کرو"۔

خطیب نے اپنا استغاثہ پیش کیا تو کافروں کی جماعت نے خطیب کو جھٹلانے اور معاملے کو دبانے کی کوششیں کیں۔ یہ رنگ دیکھ کر راجا نے اپنے آبدار کو حکم دیا کہ "رات کو پانی کی جو چھاگل تمھیں دی تھی وہ لاؤ اور درباریوں کو اس کا پانی چکھاؤ"۔

درباریوں نے چھاگل کا پانی چکھا تو کھاری ہونے کی وجہ سے پہچان گئے کہ سمندر کا پانی ہے۔

اب راجا نے ان کو بتایا کہ "مذہبی اختلاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مجھے تم میں سے کسی پر اعتماد نہ تھا۔ اس لیے میں خود کھمبایت جاکر مسلمانوں کی مظلومی اور دوسرے فریق کی ستم گاری کا حال معلوم کرکے آیا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے۔ اور میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اُس جماعت پر جو میری پناہ میں ہو ظلم کیا جائے"۔

یہ کہہ کر اُس نے حکم دیا کہ کھمبایت کے کافروں میں سے ہر ایک فرقے مثلاً برہمنوں، پایکوں، مہتوں، برالوں، سوروں اور آتش پرستوں کے سرداروں کو سزا دی جائے۔ ساتھ ہی ایک لاکھ بالوترے عنایت کیے کہ مسجد اور مینار نئے سرے سے تعمیر کیے جائیں۔ خطیب کو چار چھتر بخشے، جو بڑے قیمتی رنگین اور ریشمی کپڑے سے تیار کیے گئے تھے۔ یہ چھتر آج بھی مسلمانوں کے پاس محفوظ ہیں اور وہ ان کو عید کے موقعے پر لٹکالتے ہیں۔ مسجد اور مینار بھی چند سال پہلے تک موجود تھے۔ مگر بالارا کے لشکر نے جب نہروالے پر حملہ کیا تو یہ

مسجد اور مینار دوبارہ برباد کردیے گئے۔ بعد ازاں سعید بن شرف یمنی نے ان کو اپنے خرچ پر سہ بارہ تعمیر کرایا اور چار طلائی گنبدوں کا اضافہ کرکے اسلامی طریقے کو اس کفرستان میں زندہ کیا۔ چناں چہ یہ مسجد اور مینار آج بھی باقی ہیں۔

---

(۲) حکایت ۔ نیت کا اثر

یہ حکایت بہت مشہور حکایتوں میں سے ہے کہ ایک دن قباد بادشاہ شکار کو گیا۔ شکار گاہ میں پہنچ کر کسی ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور لشکر سے بچھڑ کر کہیں کا کہیں نکل گیا۔ دوپہر کے قریب دھوپ تیز ہوئی تو بادشاہ کا بھوک پیاس کے مارے برا حال ہونے لگا۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، دور جنگل میں کچھ دھبے سے دکھائی دیے۔ گھوڑے کی باگ اُدھر موڑی قریب پہنچا تو دو تین پھٹے پرانے خیمے نظر آئے۔ پاس جاکر آواز دی "کسی مہمان کی ضرورت ہو تو حاضر ہے۔"

اندر سے ایک بڑھیا نکل کر آئی اور اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر بولی "تشریف لائیے۔"

قباد گھوڑے سے اُترا۔ بڑھیا نے تھوڑا سا دودھ اور جو کھانا حاضر تھا، سامنے لا رکھا۔

کھانے سے فارغ ہوکر قباد تھوڑی دیر ستانے کے خیال سے لیٹ گیا۔ تھکا ہارا تو تھا ہی لیٹتے کے ساتھ ہی نیند آگئی۔ آنکھ کھلی تو دن ڈھل چکا تھا۔ اُفق پر شام کی سُرخی کی ابتدائی لہریں پھیلنے لگی تھیں۔ رات کے اندھیرے میں راستہ بھول جانے کے ڈر سے وہیں بسیرا کرنے کی ٹھانی۔ اتنے میں چند گائیں

نظر آئیں جو چر چگ کر جنگل سے گھر آ رہی تھیں۔ بڑھیا نے اپنی لڑکی کو آواز دے کر کہا کہ "گایوں کا دودھ دوہ لے تاکہ مہمان کی خاطر کی جائے۔"

لڑکی کی عمر کوئی بارہ برس کی ہوگی۔ بڑی سمجھ دار اور خوب صورت تھی۔ ماں کی بات سن کر گایوں کے پاس گئی اور دودھ دوہنے لگی۔

قباد نے شاید کسی کو گائیں دوہتے نہ دیکھا تھا۔ دودھ کی مقدار بہت زیادہ معلوم ہوئی اور اس پر اسے تعجب ہوا۔ دل ہی دل میں کہنے لگا کہ "یہ لوگ ہمارے انصاف و کرم کے سہارے اس جنگل بیابان میں پڑے ہیں اور دونوں وقت روزانہ اس قدر دودھ حاصل کرتے ہیں۔ اگر ہفتے میں ایک دن کا دودھ بھی اپنے بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دیا کریں تو ان کا کچھ بھی نقصان نہ ہو اور شاہی خزانے میں اس دودھ کی قیمت سے کئی گنا اضافہ ہو جائے۔"

یہ سوچ کر اس نے فیصلہ کیا کہ "شہر پہنچ کر اس قسم کا ایک حکم نافذ کروں گا۔ جس کی رو سے ہفتے میں ایک دن کا دودھ بادشاہ کا حصّہ قرار پائے گا۔"

صبح ہوئی تو ماں نے اپنی بیٹی کو جگا کر کہا کہ "گائیں دوہ لے" لڑکی حسب معمول دودھ دوہنے لگی تو وہیں سے چلّائی کہ "اماں، اماں، اٹھو اور دعا کرو ہمارے بادشاہ کی نیت میں فتور آگیا ہے۔"

یہ سن کر قباد بہت حیران ہوا کہ "میں نے رات کو دل میں ضرور سوچا تھا کہ ہفتے میں ایک دن کا دودھ اپنا حصّہ قرار دوں گا۔ مگر اس بچّی کو کیسے خبر ہوئی؟"

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بڑھیا اٹھ کھڑی ہوئی اور بہت گڑگڑا کر خدا سے دعا کرنے لگی۔ جب وہ دعا سے فارغ ہوئی تو قباد نے پوچھا "بڑی بی تمھیں کیوں کر معلوم ہوا کہ بادشاہ کی نیت میں فتور آگیا ہے۔"

اس نے جواب دیا "ہماری یہ گائے روزانہ صبح کے وقت جتنا دودھ

دیتی ہے۔ آج اُس کے تھنوں سے اتنا دُودھ نہیں اُترا۔ چوں کہ کوئی اور بات ایسی نہیں ہوئی جس کی وجہ سے یہ دُودھ نہ دیتی اس لیے ہم نے سمجھ لیا کہ اس کا سبب صِرف یہ ہے کہ بادشاہ کی نیت میں خرابی آگئی ہے۔ کیوں کہ جب بادشاہ کی نیت میں خرابی آتی ہے تو خُدائے تعالےٰ زمین سے خیر و برکت اُٹھا لیتا ہے۔ اور خیر و برکت کے اُٹھ جانے سے یہ اثر ہوتا ہے کہ ہر چیز میں کمی اور نقصان واقع ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح جب بادشاہ کی نیت نیک ہوتی ہے تو خُدا زمین پر اتنی خیر اور برکت نازل کرتا ہے کہ ہر چیز میں افراط اور فائدہ نظر آتا ہے۔"

قباد بولا "سچ کہتی ہو! تمھاری بات سے مجھے بڑی تنبیہ حاصل ہوئی۔ میں نے اپنی بُری نیت سے توبہ کی اور اس ظالمانہ خیال سے درگزرا۔"

اب جو لڑکی نے دُودھ دُوہا تو معمول کے مطابق بہت دُودھ ہوا۔ دُوسری طرف بادشاہ کی نیت بخیر ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُسے نوشیرواں کا سا بیٹا نصیب ہوا۔

---

(۳) حکایت۔ نوشیرواں اور ایک بُڑھیا

مشہور حکایت ہے کہ جب نوشیرواں نے ایوانِ مدائن کی تعمیر شروع کرائی تو معلوم ہوا کہ سامنے ایک بُڑھیا کا گھر موجود ہے جس کی وجہ سے عمارت کے حُسن میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ بُڑھیا بہت غریب تھی۔ لے دے کر ایک گائے کا سہارا تھا جس کے دُودھ پر بے چاری گزران کرتی تھی۔ جب محل کی بنیاد پڑ چکی تو نوشیرواں نے اُس بُڑھیا کو بُلا کر کہا کہ "اگر تو راضی ہو تو جس قیمت پر بھی تو چاہے میں تیرا گھر خریدنے کو تیار ہوں۔ اتنی دولت و نعمت دوں گا

کہ باقی عمر چین کرے گی۔"

بڑھیا نے جواب دیا " بادشاہ سلامت، یہ تو کہیے کہ میرے لیے اس سے بڑی دولت کون سی ہے کہ میں آپ کے زیرِ سایہ رہا کروں اور اس سے اچھی نعمت کیا ہوگی کہ روزانہ اپنے گھر بیٹھے آپ کا دیدار کر لیا کروں؟"

نوشیرواں قائل ہو کر بولا " اگر تو اسی میں خوش ہے کہ میں تیرا مکان نہ خریدوں تو میں زبردستی نہیں کرتا"۔

چناں چہ اس نے حکم دیا کہ بڑھیا کے گھر کو اس کی جگہ رہنے دیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اِدھر محل میں دربار ہوتا اور اُدھر بڑھیا اپنی گائے کو چرنے کے لیے جنگل کی طرف بھجواتی۔ محل کے برآمدے سے گزرتے ہوئے گائے پیشاب یا گوبر سے اسے آلودہ کرتی تو بڑے بڑے درباری اس نجاست کا منظر گوارا کرتے مگر بادشاہ کے ڈر سے بڑھیا کو کچھ نہ کہتے۔

---

(۴) حکایت۔ خلیفہ کے خلاف دعویٰ

ایک دن امیرالمومنین مہدی رضی اللہ عنہ عدالت میں بیٹھے ضرورت مندوں کی مختلف درخواستوں پر غور کر کے احکام صادر کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور سلام کر کے بولا " یا امیرالمومنین! اگر کسی کو کسی کے خلاف شکایت ہو یا ایک نے دوسرے کا حق چھینا ہو تو وہ آپ کی خدمت میں فریاد لا سکتا اور اپنے درد کی دوا پا سکتا ہے۔ لیکن جسے خود امیرالمومنین پر دعویٰ کرنا ہو۔ فرمائیے وہ کہاں جائے؟ مجھے آپ کے خلاف استغاثہ کرنا ہے۔ بتائیے آج یہیں پیش کروں یا کل قیامت کے دن مالکِ یوم الدین کی عدالت میں، جہاں کسی قسم کی

طرف داری یا ناطرف داری کی سازش نہ ہوگی۔"

امیرالمومنین مہدی نے جواب دیا "اگرچہ تمام دنیوی حاکموں کا سر ہمارے حکم کے سامنے خم ہو مگر شریعت کے حضور میں ہم بھی سر جھکاتے ہیں۔ لہذا شریعت کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ تم اپنا انصاف اسی دنیا میں پاسکو گے"!

یہ کہہ کر امیرالمومنین مسندِ خلافت سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس شخص کو ہمراہ لیے ہوئے قاضی کی عدالت میں پہنچے اور اس کے پاس بیٹھ کر بولے "اپنا دعویٰ پیش کرو"۔

اس شخص نے قاضی کے سامنے دعویٰ پیش کیا۔ امیرالمومنین نے جواب دہی کی۔ اس پر قاضی نے مدعی سے قانونی دستاویز طلب کی۔ اس شخص نے پیش کی۔ قاضی نے معائنہ کرکے اس پر حکم لکھا جو مہدی کے خلاف اور مدعی کے حق میں تھا۔ خلیفہ نے حکم کے سامنے سر جھکایا اور مدعی کا مطالبہ پورا کر دیا۔

---

(۵) حکایت۔ شاہ کرمان اور دفینہ

کہتے ہیں کہ کرمان کا ایک بادشاہ بہت نیک اور عادل تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے اسے اطلاع دی کہ فلاں شخص کو اپنی زمین میں دفینہ ملا ہو۔ یہ سُن کر بادشاہ نے اس شخص کو بُلایا اور پوچھا "ہم نے سُنا ہو کہ تمہیں کوئی دفینہ ملا ہو؟"

اس نے جواب دیا "بے شک ملا ہو"۔

بادشاہ نے پوچھا "ہمیں کیوں اطلاع نہ دی"؟

اس نے جواب دیا "اس لیے کہ یہ دفینہ مجھے اپنی ذاتی زمین میں ملا ہو

جو میری موروثی ملکیت چلی آتی ہے۔ علاوہ بریں مجھے علم تھا کہ آپ ایک انصاف پسند بادشاہ ہیں اور مجھ پر ظلم نہ کریں گے۔"

بادشاہ نے کہا "دفینہ حاضر کیا جائے۔ دیکھیں تو سہی اُس کی مقدار کیا ہے"۔ حکم کے مطابق اس شخص نے خزانہ لاکر حاضر کیا۔ بادشاہ نے حساب کرکے تھوڑا سا حصہ اپنے خزانے میں بھیج دیا اور باقی اس کے حوالے کر دیا۔

بعض مصاحبوں نے عرض کی کہ "جہاں پناہ اس شخص نے نصف خزانہ بھی لاکر نہیں دکھایا۔ بڑا حصہ تو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے۔ اور حضور نے پھر بھی بہت سا خزانہ اسے واپس کر دیا"۔

بادشاہ نے جواب دیا۔ "اُس کا خزانہ ہے۔ میرے باپ کا مال نہیں۔ اگر اُس نے بہت سا حصہ چھپا رکھا ہے تو اُس سے کہو کہ چھپائے نہیں۔ برملا خرچ کرے۔ مجھے جو کچھ اُس نے خوشی سے دیا میں نے لے لیا۔ اس سے زیادہ اس پر میرا حق نہیں ہے"۔

---

(۹) حکایت۔ دیانت داری اور حساب

ایسی ہی ایک حکایت میں نے سُنی ہے کہ شہر نہروالہ میں کسی ہندستانی سوداگر نے ایک دلال کے پاس نولاکھ بالوترے امانت رکھوائے تھے۔ کچھ عرصے بعد سوداگر کا انتقال ہوگیا تو دلال نے اُس کے لڑکے کو بُلا کر کہا "بہت عرصہ ہوا کہ تمھارے باپ نے نولاکھ بالوترے میرے پاس امانت کے طور پر رکھوائے تھے وہ لے لو"۔

لڑکے نے جواب دیا "مجھے اس کے متعلق کچھ علم نہیں۔ شاید کسی بہی میں

لکھے ہوں۔ منگوا کر دیکھتا ہوں۔"

بہی کھاتے منگوا کر دیکھے گئے تو کسی میں بھی اس رقم کا اندراج نہ تھا۔ اس پر لڑکے نے کہا کہ "اگر میرے باپ نے تمھارے پاس نولاکھ بالوتر رکھے ہوتے تو کھاتوں میں ضرور درج ہوتا۔ مگر چوں کہ ایسا نہیں ہے اس لیے میں تم سے یہ رقم نہیں لے سکتا۔"

الغرض دلاّل اصرار کرتا تھا کہ "تمھاری رقم ہے تمھیں لینی ہوگی۔" اور لڑکا انکار کرتا تھا کہ "میں ہرگز نہیں لے سکتا کیوں کہ میرے کھاتے میں درج نہیں۔" ہوتے ہوتے یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ دونوں کو فیصلے کے لیے راجہ جے سنگھ کے دربار میں جانا پڑا۔

راجہ نے دونوں کے بیانات سُن کر کہا کہ "اگر تم دونوں میں سے کوئی بھی یہ رقم رکھنے کو تیار نہیں تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کسی ایسے مصرف میں لے آؤ جس سے خُدا کی مخلوق کو فائدہ اور مرنے والے سوداگر کو ثواب پہنچتا رہے۔"

چُناں چہ اس رقم سے "نولکھا تال" بنایا گیا۔ جو دُنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اور جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ تال آج تک باقی ہے۔

---

(۷) حکایت۔ ایک قاضی کی بے ایمانی

امیرالمومنین معتضد باللہ کے حضور میں ایک شخص فریاد لایا کہ حج کو جاتے ہوئے میں نے ایک تھیلی جس میں ہزار دینار تھے سر بہ مُہر کر کے نائب قاضی کے پاس امانت کے طور پر رکھوائی تھی۔ واپس آنے پر قاضی سے تھیلی تو مل گئی

مگر اُسے کھولنے پر معلوم ہوا کہ طلائی دیناروں کی جگہ چاندی کے درہم رکھ دیے گئے ہیں۔ مُہر جیسی تھی ویسی ہی ملی مگر دینار غائب تھے۔ شرارت ضرور نائب قاضی کی ہے مگر لاکھ خوشامد کرتا ہوں وہ انکار کیے جاتا ہے۔"

خلیفہ نے جواب دیا "اطمینان رکھو تمھارے دینار تمھیں مل جائیں گے۔"

وہ شخص مطمئن ہو کر گھر چلا گیا۔ خلیفہ کچھ دیر اس معاملے کے متعلق غور کرتا رہا۔ پھر جامہ دار کو بُلا کر حکم دیا کہ "توشہ خانے میں سے ایک نیا جوڑا لاؤ۔ ساتھ ہی ایک پگڑی بھی۔ مگر خیال رکھنا کہ اس سے اچھی پگڑی تمام توشہ خانے میں نہ ہو۔"

جب جامہ دار نے حکم کی تعمیل کی تو خلیفہ نے اُسے کسی بہانے سے باہر بھجوا دیا۔ اُس کے چلے جانے پر پگڑی پھاڑ دی اور اسی طرح ایک طرف رکھ دی۔ جامہ دار لوٹ کر آیا تو اُس سے بولا "کپڑے اُٹھا کر لے جاؤ۔ آج نہیں پہنوں گا۔"

جامہ دار اس لباس کو سنبھال کر اُس کی جگہ رکھنے لگا تو پگڑی پھٹی ہوئی نظر آئی۔ بے چارہ جان کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اسی حال میں رفوگر کا خیال آیا تو جان میں جان آئی۔ پگڑی چھپا کر ساتھ لی اور بازار میں پہنچ کر ایک قابلِ اعتماد دوست سے کسی اچھے رفوگر کے متعلق دریافت کیا۔ ایک کاری گر کا پتا چلا۔ بھاگا ہوا اُس کے پاس پہنچا۔ اُس نے کہا "اچھے کام کے اچھے دام ہوں گے۔ ایسا رفو کروں کہ کوئی فردِ بشر تمیز نہ کر سکے۔"

جامہ دار نے مُنھ مانگے دام دینے کی حامی بھری اور رفوگر نے جیسا کہا تھا ویسا کر دکھایا۔ جامہ دار پگڑی لیے ہوئے خوش خوش توشہ خانے میں لے آیا۔ اور پگڑی رکھ کر اپنے کام میں لگا۔

دوسرے دن خلیفہ نے پھر وہی لباس طلب کیا۔ جامہ دار نے حاضر

گیا تو دیکھا کہ پگڑی جوں کی توں ہے۔ پوچھا "یہ پگڑی کس نے رفو کی ہے؟"
یہ سُن کر جامہ دار بہت گھبرایا۔ خلیفہ نے کہا "درست! پگڑی خود میں نے پھاڑی تھی۔ یہ بتاؤ کہ تم نے رفو کس سے کرائی؟" اس پر جامہ دار نے رفوگر کا پتا بتایا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے حاضر کیا جائے۔ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا "اگر تو سچ سچ بتائے گا تو تجھے جان کی امان دی جائے گی بلکہ خلعت و انعام بھی ملے گا۔ یہ بتا کہ اس شہر میں تو نے کسی کی تھیلی رفو کی ہے؟"
رفوگر نے جواب دیا "نائب قاضی نے ایک تھیلی رفو کرائی تھی۔ اور اسے زیادہ مدت نہیں ہوئی۔ کیوں کہ مجھے شام سے آئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے۔"
یہ سُن کر خلیفہ نے ایک غلام بھیج کر اُس شخص کو بُلوایا جس کی تھیلی میں خیانت ہوئی تھی اور رفوگر کو تھیلی دکھا کر پوچھا "اس تھیلی کو پہچانتے ہو؟"
رفوگر نے کہا "جی ہاں، یہی وہ تھیلی ہے جو میں نے رفو کی تھی۔"
اس پر خلیفہ نے نائب قاضی کو بُلوایا اور رفوگر سے دوبارہ بیان دلوایا۔ رفوگر نے قاضی کو مخاطب کر کے کہا "یہ تھیلی تم نے مجھے یہ کہہ کر رفو کرنے کو دی تھی کہ غلام کے ہاتھ سے گر کے پھٹ گئی ہے۔ کسی جگہ تذکرہ نہ کرنا کیوں کہ امانت کا روپیہ ہے۔ لوگوں کو شبہہ ہوگا۔"
اس بیان کے بعد نائب قاضی کو اصل رقم ادا کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ قاضی رقم ادا کر چکا تو معتضد نے حکم دیا کہ اسے دریا میں غرق کر دیا جائے۔ اور اس کی جگہ کوئی اور شخص نائب قاضی مقرر کیا جائے۔

(۸) حکایت ۔ عضد الدولہ اور ایک قاضی

عضد الدولہ کے عہد کا واقعہ ہے کہ اُس نے ایک مرتبہ کسی شہر میں خاص کام سے کوئی قاصد بھیجا۔ قاصد راستے ہی سے لوٹ گیا اور عضد الدولہ کی خدمت میں آکر عرض کی۔ "جہاں پناہ میں منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی لوٹ آیا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ راستے میں مجھے ایک شخص ملا۔ جو حاکم بدہن دارالحکومت کو بے تحاشا گالیاں دے رہا تھا۔ میں نے اسے ڈانٹا کہ مدینۃ السلام کو جو دارالخلافت ہے اور جہاں خُدا کی رحمت کا نور برستا ہے کس لیے کوس رہا ہے؟"

اُس نے جواب دیا۔ "اس لیے کہ یہاں کا بادشاہ ظالم اور اُس کا قاضی بد دیانت ہے۔ میں نے اُس کے پاس اشرفیوں سے بھرے ہوئے دو لوٹے امانت رکھے تھے۔ اب چند سال کے بعد طلب کیے تو صاف مُکر گیا اور میرا کوئی گواہ ہے نہیں۔ لاچار مایوس ہو کر واپس جا رہا ہوں۔" قاصد نے عرض کی "میں اس شخص کو سمجھا بجھا کر لوٹا لایا ہوں تاکہ وہ آپ کی خدمت میں اپنی فریاد پیش کر سکے۔"

عضد الدولہ نے اُس شخص کو سامنے بُلایا اور پُوری توجہ سے تمام حالات دریافت کیے۔ یہاں تک کہ اُسے اُس شخص کی سچائی کا یقین ہو گیا۔ چُناں چہ اُس نے سفر خرچ دے کر کہا کہ "اصفہان جا کر کسی مناسب جگہ قیام کرو۔ تمھاری رقم تم تک پہنچ جائے گی۔ کسی قسم کا کوئی اندیشہ نہ کرو۔"

ساتھ ہی اصفہان کے والی کے نام فرمان لکھ کر دیا کہ "حاملِ فرمانِ ہٰذا کی تمام ضروریات کا انتظام کرو۔ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

اُس دن کے بعد بادشاہ نے قاضی سے میل جول بڑھانا شروع کر دیا۔

روزانہ کسی نہ کسی بہانے سے اُسے خلعت بخشتا اور اُس کی خاطر تواضع پہلے سے زیادہ کرتا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ قاضی حاضر ہوا۔ عضد الدولہ نے درباریوں کو ہٹا دیا۔ اور تخلیے میں اُس سے کہا: "قاضی صاحب! آپ سے ایک راز کی بات کہنا چاہتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کسی سے کہیے گا نہیں۔ اور مجھے آپ پر جو اعتماد ہے اسے کھوئیے گا نہیں۔"

قاضی نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر قسمیں کھائیں کہ "حضور کا راز قیامت تک غلام کے سینے میں محفوظ رہے گا۔ کسی فردِ بشر کے کان میں بھنک تک نہ پڑے گی۔"

عضد الدولہ نے کہا "بات یہ ہے کہ زندگی کا کوئی بھروسا نہیں اور دُنیا کے جھگڑے ختم ہوتے نظر نہیں آتے۔ انجام کا فکر بُری طرح کھائے جاتا ہے۔ خُدا نہ خواستہ کسی دن خلافِ اُمید زندگی کا چراغ گُل ہو گیا تو بچوں پر کیا گزرے گی۔ اس لیے بہت سوچ بچار کے بعد یہ صورت ذہن میں آئی ہے کہ مال و دولت کا ذخیرہ اُن کے لیے محفوظ کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا خزانہ ایسی جگہ نہیں رکھا جا سکتا کہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو۔ اس لیے کسی بہت معتبر اور دیانت دار شخص کا انتخاب ضرورری ہے۔ میرا خیال بلکہ یقین ہے کہ اس کام کے لیے آپ سے بہتر شخص کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ کا عہدہ، آپ کا زہد، آپ کی عبادت اور پرہیز گاری تمام مُلک میں ضرب المثل ہے۔ اگر آپ کو منظور ہو تو خفیہ طور پر یہ ذخیرہ آپ کو پہنچا دیا جائے۔ سرِدست پہلی قسط کے طور پر ایک لاکھ دینار، ایک سو تھان کپڑوں کے، اور پانچ موتیوں کے ہار آپ کو بھجوائے جائیں گے۔ باقی پھر حسبِ موقع ارسال ہوں گے۔"

قاضی نے تسلیم بجا لا کر عرض کی: "خُدا قیامت تک حضور کو سلامت

اور بادشاہی کو برقرار رکھے اور حضور کے (اپنی نسبت) اندیشے غلط نکلیں۔ میں دل و جان سے حکم کی تعمیل کرنے کو تیار ہوں۔"

اس پر عضد الدولہ نے ایک غلام کو اشارہ کیا کہ قاضی صاحب کو دو سو طلائی دینار دے دیے جائیں۔ پھر قاضی صاحبؒ سے کہا "مناسب یہ ہے کہ آپ اپنے مکان میں ایک تہ خانہ بنوالیں تاکہ میرا خزانہ وہاں محفوظ رہے۔ اس تہ خانے کا دروازہ بہت مضبوط بنوانا۔ علاوہ بریں اس کی اطلاع کسی کو نہ ہونے دینا۔ یہ دو سو دینار تہ خانے کی تعمیر کے لیے دے رہا ہوں۔ آپ کا حقِ خدمت پھر نذر کروں گا۔"

قاضی صاحب دو سو دینار لے کر خوش خوش گھر پہنچے۔ تہ خانے کی تعمیر شروع کرادی اور ہر وقت اس دھن میں مگن رہنے لگا کہ اب کیا ہے۔ پانچوں اُنگلیاں گھی میں ہیں۔ تھوڑے دن بعد سارا مال اپنا اور اپنے باپ کا ہے۔ ع

"کبھی جو لڑ گئی قسمت تو وارے نیارے ہیں!"

جب تہ خانے کی تعمیر مکمل ہونے کے قریب ہوئی اور عضد الدولہ نے خیال کیا کہ قاضی پوری طرح جال میں پھنس چکا ہے تو اس نے خُفیہ طور پر ایک قاصد اصفہان بھیج کر اُس شخص کو بلوایا اور سمجھایا کہ کل دربار میں آنا۔ قاضی میرے پاس بیٹھا ہوگا۔ اس سے اپنی امانت کا مطالبہ کرنا۔ امید ہے وہ بجنسہٖ واپس کر دے گا۔"

دوسرے دن اُس شخص نے ایسا ہی کیا۔ دربار میں آیا اور سلام کر کے قاضی کے پاس آ بیٹھا۔ عضد الدولہ نے قاضی کے گھر اپنا خزانہ منتقل کرنے کے لیے آج کا دن مقرر کیا تھا۔ اُس شخص نے قاضی کو سلام کر کے عرض کی۔ "مولانا قاضی القضاۃ کا اقبال زیادہ ہو۔ جنابِ والا کو یاد ہوگا کہ اس

خادم نے سفر کو جاتے ہوئے ایک امانت حضور کے پاس رکھوائی تھی۔ میں آج ہی سفر سے واپس آیا ہوں۔ اور روپے کی بے طرح ضرورت ہے اس لیے اگر جناب میری امانت مجھے واپس کر دیں تو بڑا احسان ہوگا۔"

قاضی نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر امانت دینے سے انکار کرتا ہوں تو یہ شخص جھگڑا کرے گا اور اس سے بادشاہ کو میری دیانت داری کے متعلق شبہ ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بادشاہ جو خزانہ آج میرے حوالے کرنے والا ہے وہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اتنے بڑے خزانے کے مقابلے میں تھوڑی سی اشرفیاں کیا مال ہیں، ان کا واپس کر دینا ہی اچھا ہے۔

یہ سوچ کر قاضی نے جواب دیا۔ "اخاہ، تم ہو۔ بھائی کتنی مدت گزری کہ میں بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں مگر تم آج آئے نکل آئے۔ تمہاری اشرفیوں کے دونوں لوٹے حفاظت سے رکھے ہیں۔ اسی وقت گھر جا کر لے لو۔"

عضد الدولہ نے قاضی کو اس کی دیانت داری پر آفریں کہی اور اس شخص سے کہا کہ "قاضی صاحب کے گھر سے اپنی امانت لے آؤ۔"

جب وہ شخص قاضی کے گھر سے اپنی اشرفیوں کے لوٹے لے آیا تو بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ "جہاں پناہ کی پرورش سے میرا مال مجھے مل گیا ورنہ میں آج کوڑی کوڑی کو محتاج ہوتا۔"

عضد الدولہ نے قاضی کو اس کے عہدے سے موقوف کر کے قرار واقعی سزا دی۔ اور قاضی کی امیدوں کا محل خاک میں مل گیا۔

---

(۹) حکایت ۔ محمود غزنوی اور بیگار کی ممانعت

خواجہ بزرگ محمد بن عبد الحمید کی زبانی بیان کیا جاتا ہو کہ سُلطان محمود غزنوی کے عہد میں تگین آباد سے کوئی حاجب دار الخلافت کی جانب آ رہا تھا خسرو آباد پہنچ کر اُسے ایک خچر کی ضرورت پڑی ۔ ملازم ایک فقیر کا خچر بیگار میں پکڑ لائے اور بوجھ لاد کر دوسری منزل تک لے گئے ۔

محمود کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو بہت ناراض ہوا ۔ کچھ روز بعد وہ حاجب دربار میں آیا تو حاجبوں کے سردار کو بلا کر کہا " اس حاجب سے کہو کہ تیری یہ مجال ہوئی کہ میری رعایا کے جانور بیگار میں پکڑے ؟"

پھر حکم دیا کہ " اسی وقت سپاہیوں سے کہو کہ اس حاجب کو پکڑ کر خسرو آباد لے جائیں اور وہاں کے لوگوں میں اس کے جُرم کا اعلان کریں ۔ پھر اسی کی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیں ۔ تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور بیگار لینے سے توبہ کریں ۔"

خواجہ محمد بن عبد الحمید کہتا ہو کہ " میں نے اپنی آنکھوں سے اُس حاجب کی لاش کو خسرو آبا میں پڑا دیکھا ۔"

---

(۱۰) حکایت ۔ عمر بن عبد العزیز اور مُسلمانوں کا مال

امیر المومنین عمر بن عبد العزیز اپنے عدل اور پرہیزگاری کے لحاظ سے نمایاں شخصیت کے مالک ہیں ۔ انھوں نے خلفاے راشدین کی سیرت اور سُنّت کو دوبارہ زندہ کیا اور دنیوی مال و دولت کو ہمیشہ ٹھکراتے رہے ۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مالِ غنیمت میں بہت سا مُشک آیا اور اُن کے سامنے تقسیم کیا جانے لگا۔ مُشک کی تقسیم شروع ہوئی تو آپ نے ناک پر کپڑا رکھ لیا تاکہ اُس کی خوش بُو دماغ میں نہ جاسکے۔ کسی نے پُوچھا "امیرالمومنین نے ناک کیوں بند کرلی"؟

جواب دیا "مُشک کا فائدہ اس کی خوش بُو ہے۔ اور چوں کہ یہ مُشک مُسلمانوں کا مال ہے اس لیے مجھے اس مال سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے"۔

اسی طرح ایک دن بیت المال سے بہت سے سیب لاکر اُن کے سامنے تقسیم کیے جارہے تھے۔ امیرالمومنین کا بچّہ اُن کے پاس کھیل رہا تھا۔ کھیلتے کھیلتے سیبوں کے پاس آگیا اور ہاتھ بڑھاکر ایک سیب اُٹھالیا امیرالمومنین نے جھپٹ کر سیب جو چھینا تو بچّے کا مُنھ زخمی ہوگیا۔ وہ روتا ہوا ماں کے پاس پہنچا اور سارا حال کہہ سُنایا۔ ماں نے اُسی وقت بازار سے سیب منگوا کر بچّے کو دیے تو اُس کا رونا بند ہوا۔

جب امیرالمومنین گھر میں آئے تو بیوی کے پاس سیب پڑے دیکھے۔ پُوچھا "یہ سیب کہاں سے آئے"؟

بیوی نے مُنھ بناکر جواب دیا۔ "کہیں سے بھی آئے ہوں بیت المال سے نہیں آئے۔ غضب خُدا کا ایک سیب کے لیے میرے بچّے کا مُنھ توڑ دیا۔

امیرالمومنین نے کہا "ٹھیک کہتی ہو مجھے بھی اس وقت تکلیف ہوئی مگر میں کس طرح برداشت کرسکتا تھا کہ ایک سیب کی خاطر میں انصاف کے ثواب سے محرُوم ہوجاؤں اور میرا نام نیکوں کی فہرست سے کاٹ دیا جائے۔

---

(۱۱) حکایت - الپ تگین کا دلچسپ انصاف

سبکتگین کا آقا الپ تگین جب سامانیوں کو چھوڑ کر ترقی کے ارادے سے غزنین کی طرف روانہ ہوا تو اہلِ غزنین نے قلعے کو مضبوط کر کے مقابلے کی ٹھان لی۔ چناں چہ جب الپ تگین غزنین کے دروازے پر پہنچا تو شہر اس کے حوالے نہیں کیا گیا اور وہ شہر سے باہر پڑاؤ ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔ پڑاؤ کی حالت میں اس نے آس پاس کے علاقوں پر اپنی حکومت قائم اور اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے بہت کچھ ہر دل عزیزی حاصل کر لی۔

ایک دن مقبوضہ علاقے میں گھوم رہا تھا کہ اُسے اپنے چند غلام نظر آئے جو کسی گانو سے آرہے تھے اور ان کی فتراک میں بہت سے مُرغ بندھے ہوئے تھے۔ الپ تگین نے اُن سے پوچھا۔ "یہ مُرغ کہاں سے لاتے ہو"؟

جواب ملا "فلاں گانو سے خریدے ہیں"۔

الپ تگین نے اُن کو وہیں ٹھیرالیا۔ اور ایک سوار بھیج کر گانو کے نمبردار کو بُلوایا۔ جب وہ آچکا تو اُس نے دریافت کیا "میرے غُلاموں نے یہ مُرغ تمھارے گانو سے خریدے ہیں یا جبراً چھین کر لائے ہیں"؟

نمبردار غلاموں کے ڈر سے سچ کہتے ہوئے جھجکا۔ ٹال مٹول کرنے لگا۔

یہ دیکھ کر الپ تگین نے اُسے ڈانٹا کہ "سچ سچ بتادے ورنہ سزا ملے گی"۔

گانو کے مُکھیا نے جواب دیا "حضور، ترک گانو میں آتے ہیں تو مُرغ خریدتے نہیں بلکہ نذرانے کے طور پر حاصل کیا کرتے ہیں"۔

یہ سُن کر الپ تگین نے حُکم دیا کہ "ان سواروں کو قتل کر دیا جائے"۔

بعض لوگوں نے سفارش کی کہ "اتنے سے قصور کی اتنی بڑی سزا مناسب

نہیں۔ کوئی ہلکی سزا تجویز فرمائی جائے "۔

اس پر الپ تگین نے حکم دیا۔ "اچھا ان کے کانوں میں چھید کر کے دھاگے ڈال کر ان دھاگوں سے مرغوں کی ٹانگیں باندھ دی جائیں "۔

حکم کی تعمیل کی گئی تو مرغوں نے ان سواروں کے سر اور منھ پر چونچیں مارنی شروع کیں اِدھر کانوں کے چھیدوں سے خون بہ رہا تھا اُدھر مرغ سر اور منھ کی تواضع کر رہے تھے۔ اس حالت میں اُن کو تمام لشکر گاہ کے چاروں طرف پھرایا گیا۔

اس منصفانہ کارروائی کی شہرت بجلی کی سی تیزی سے چاروں طرف پھیل گئی۔ شہر والوں نے یہ خبر سُنی تو سوچا ہمیں ایسا عادل و منصف حاکم کہاں ملے گا۔ اُسی رات شہر کا دروازہ کھول کر حاضر ہوئے اور غزنین کی کُنجیاں الپ تگین کی خدمت میں پیش کر دیں۔

---

(۱۲) حکایت۔ ایک عقل مند وزیر

محمد بن اسحٰق والیٔ خوزستان کا وزیر بہت نیک اور عقل مند تھا۔ مگر قاعدہ ہے کہ جو شخص جتنا اچھا ہوتا ہے اتنے ہی اُس کے دشمن اور حاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس شریف وزیر کے بھی بیسیوں دشمن پیدا ہو گئے جو رات دن اُسے بادشاہ کی نظر سے گرانے کی کوشش میں لگے رہتے۔ کوئی دن ایسا نہ گزرتا کہ وزیر کے خلاف جھوٹی شکایتیں اور حکایتیں بادشاہ کے کانوں تک نہ پہنچائی جاتیں۔

شدہ شدہ حاسدوں کی کوششیں رنگ لائیں اور محمد بن اسحٰق نے

اپنے نیک دل وزیر کو وزارت سے برطرف کر دیا، اور اس کی تمام جا ئیداد اور جاگیر ضبط کرلی۔ وزیر خاموشی کے ساتھ خانہ نشین ہو گیا کہ بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو کچھ کہا سنا جائے۔ جب چند روز گزر گئے تو اُس نے پیغام بھجوایا کہ "پرانے اور بوڑھے خدمت گاروں کے حقوق کا لحاظ کرنا نیک اور منصف بادشاہوں کا فرض ہوتا ہے۔ میں نے اپنی وزارت کے زمانے میں ہمیشہ دیانت داری اور وفاداری سے کام کیا ہے جس کے بیسیوں ثبوت پیش کیے جا سکتے ہیں اس لیے اگر ان خدمات کا پاس کر کے امیر مجھے ایک اُجڑا ہوا گاؤں یا تھوڑی سی غیر آباد زمین عنایت کر دے تو خاکسار اسے آباد کر کے اپنا گزارا کر سکتا ہے۔"

محمد اسحٰق نے کہلوایا کہ "ایسا گاؤں خود پسند کر کے مجھے اطلاع دو تو فرمان لکھوا دیا جائے۔"

وزیر نے کہلوایا "میری اب یہ حیثیت نہیں ہے کہ میں خود کسی جگہ کے لیے کہہ سکوں۔ حضور اپنے محکمۂ وزارت سے دریافت فرمائیں۔"

امیر نے محکمۂ وزارت میں حکم بھجوایا کہ کسی غیر آباد گاؤں یا بے کاشت زمین کی ملکیت کا فرمان پچھلے وزیر کے نام لکھ دیا جائے۔

محکمۂ وزارت کے نائبوں نے جانچ پڑتال کی تو کوئی غیر آباد گاؤں یا بے کاشت زمین نہ ملی۔ چپہ چپہ زمین جُتی ہوئی اور ایک ایک گاؤں آباد پایا گیا۔ چناں چہ اہلکاروں نے امیر کو اطلاع دی کہ تمام سلطنت میں کوئی گاؤں اُجڑا ہوا اور کوئی زمین بن جُتی موجود نہیں۔"

اس پر امیر نے حکم دیا کہ "وزیر کو کوئی آباد گاؤں دے دیا جائے۔"

جب وزیر کو اس حکم کی اطلاع پہنچائی گئی تو اُس نے امیر کو پیغام

بھجوایا کہ "مجھے کسی ویران گانو یا غیر آباد زمین کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تو اس بہانے سے حضور کو یہ سمجھانا چاہا تھا کہ اپنی وزارت کے عہد کو میں نے اس طرح نباہا ہے کہ تمام مُلک میں کسی اُجڑے گانو یا بن جُتی زمین کا نشان نہیں مل سکتا۔ اگر حضور کسی شخص کو وزیر بنائیں تو اسے حُکم دیں کہ وہ بھی اسی طرح خدمت کرے۔"

یہ پیغام سُن کر امیر کی آنکھیں کھُل گئیں۔ شرمندہ ہو کر کہلوایا کہ "وزارت کے لیے تم سے زیادہ موزوں شخص کوئی نہیں۔ اپنی جگہ واپس آجاؤ۔"

ساتھ ہی خلعت بھجوایا اور اُس کی تمام جائداد اور جاگیر واپس کر دی۔

---

(۱۳) حکایت۔ قصائی یا رعایا

خان سمرقند سُلطان طمغاج خاں کی خدمت میں ایک مرتبہ شہر کے قصائیوں نے درخواست کی کہ گوشت کے موجودہ نرخ میں ہمیں زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔ کام اتنا ہے کہ بکریوں کی تلاش میں گانو گانو جاتے ہیں۔ خرید کر لاتے ہیں پھر ذبح کرتے ہیں، گوشت کاٹتے ہیں تب فروخت کرتے ہیں۔ اس محنت کے مقابلے میں آمدنی بہت کم ہے۔ اگر بادشاہ سلامت گوشت مہنگا کرنے کی اجازت مرحمت فرمادیں تو ہم نذر کے طور پر ایک ہزار دینار خزانے میں پہنچا سکتے ہیں۔"

بادشاہ نے حُکم دیا کہ رقم خزانے میں پہنچادی جائے۔ اور گوشت کے نرخ میں اضافہ کر دیا جائے۔

جب قصائی ایک ہزار دینار شاہی خزانے میں داخل کر کے گوشت

کا نرخ بڑھا چکے تو بادشاہ نے شہر میں منادی کرائی کہ جو شخص قصائیوں سے گوشت خریدے گا اُسے سزا دی جائے گی۔ چناں چہ لوگوں نے قصائیوں سے گوشت خریدنا چھوڑ دیا اور چار چار چھ چھ آدمی مل کر بکرا خریدنے اور گوشت آپس میں تقسیم کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قصائیوں کی آمدنی کا دروازہ بالکل بند ہو گیا اور وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرکے بیٹھ رہے۔ آخر ہار تھک کر انھوں نے ایک رقم اور خزانے میں داخل کی اور اُسی پچھلے نرخ پر گوشت فروخت کرنے کی حامی بھری۔ تب بادشاہ نے اپنا حکم واپس لیا اور قصائیوں کی جان اس مصیبت سے چھوٹی۔

کسی کے دریافت کرنے پر طمغاج خان نے کہا "یہ اچھی بات نہ تھی کہ میں اپنی ساری رعایا کو ایک ہزار دینار میں قصائیوں کے ہاتھ بیچ دیتا۔"

---

(۱۴) حکایت۔ بہرے بادشاہ کا حکم

ایک مرتبہ امیرالمومنین منصور کی خدمت میں ایک زاہد آیا اور اُسے نصیحتیں کرنے لگا۔ نصیحتوں کے دوران میں اُس نے یہ حکایت بیان کی کہ دریائے چین کے کنارے کسی ملک میں کوئی نیک اور منصف بادشاہ تھا۔ کسی بیماری میں ایسا مبتلا ہوا کہ اُس کی سماعت جاتی رہی۔ اپنے وزیروں، امیروں اور مصاحبوں کو جمع کرکے اُس نے اس بات کی اطلاع دی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اسے روتا دیکھ کر حاضرین بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ بعض نے تسلی دینے کے لیے بادشاہ سے عرض کی کہ "سماعت سے کہیں زیادہ قیمتی چیز بادشاہ کی زندگی ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ حضور سلامت ہیں۔

اُمید ہے کہ ساعت کی جگہ خدائے تعالیٰ آپ کے عدل و انصاف اور نیکیوں کے عوض عمر میں درازی بخشے گا۔

بادشاہ نے جواب دیا: "تم غلط سمجھے ہو، میں اپنی ساعت کو نہیں رونا ساعت کیا چیز ہے زندگی جیسی بڑی چیز کو بھی آخر فنا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ ہمارا اس میں کوئی اختیار نہیں اس لیے کسی عضو کی خرابی یا طاقت کی کمی کا ماتم کرنا عقل مندوں کا کام نہیں ہے۔ میں تو صرف اس لیے روتا ہوں کہ آئندہ کوئی غریب شخص فریاد کرے گا اور داد چاہے گا تو میں نہ اُس کی فریاد سُن سکوں گا نہ داد دے سکوں گا۔ اور اس طرح عدل و انصاف کا خون ہوگا۔

آخر اس بادشاہ نے اپنے مُلک میں منادی کرا دی کہ "آج کے بعد مظلوموں کے سوا کوئی شخص سُرخ کپڑے نہ پہنے۔ البتہ جسے فریاد کرنی ہو وہ ایسا کرے تاکہ جب اُس پر نظر پڑے تو میں سمجھ جاؤں کہ وہ مظلوم ہے۔"

---

(۱۵) حکایت۔ ملک شاہ اور بُڑھیا کی گائے

سُلطان ملک شاہ سلجوقی اصفہان میں مقیم تھا۔ ایک دن شکار کھیلنے کے ارادے سے نکلا۔ اور ایک شاداب جنگل میں ایک گاؤں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ سُلطان شکار کو چلا گیا تو اس کے چند غلاموں نے ایک گائے پکڑ لی اور ذبح کر کے اُس کے کباب بنا کر سینکنے لگے۔

یہ گائے ایک غریب بُڑھیا کی تھی۔ جس کے چار یتیم بچے اس گائے کے دُودھ سے پلتے تھے۔

غریب بُڑھیا کو جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو بہت صدمہ ہُوا۔

گرتی پڑتی آدھی رات کو زندہ رود کے پُل پر جا بیٹھی۔ کیوں کہ صبح ملک شاہ کو اسی پُل پر سے گزرنا تھا۔ اور شاہی سواری کے انتظار میں ساری رات آنکھوں ہیں کاٹ دی۔

خُدا خُدا کرکے صبح ہوئی اور صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ سُلطان کی سواری آئی۔ بُڑھیا آگے بڑھی اور ملک شاہ کو مخاطب کرکے گرج کر بولی۔ "او الپ ارسلان کے بیٹے! اگر تو اس زندہ رود کے پُل پر میرا انصاف نہ کرے گا تو خُدا کے جلال کی قسم کہ پُل صراط پر تیرا دامن پکڑوں گی اور جب تک انصاف نہ پالوں گی تیرا دامن نہ چھوڑوں گی۔ تجھے ہر حال ہیں میرا انصاف کرنا ہے۔ اب یہ سوچنا تیرا کام ہے کہ تو اِن دونوں پُلوں ہیں کون سا پُل پسند کرتا ہے"؟

دُکھے ہوئے دل کے ان دردناک فقروں ہیں زور، جوش اور اثر تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہر لفظ ہیں بُڑھیا کا درد رسیدہ دل فریاد کررہا ہے۔ ملک شاہ کانپ اُٹھا۔ خُدا کے قہر اور انتقام کے خیال نے اس کے ہوش اُڑا دیے۔ بولا "بڑی بی! پُل صراط پر میرا لشکر، میرا مُلک، میرا خزانہ اور میرا کوئی ساتھی میری مدد نہیں کرسکتا۔ ہیں تمھارا انصاف زندہ رود ہی کے پُل پر کرنے کو تیار ہوں۔ بتاؤ تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ تاکہ ہیں یہیں اس کا فیصلہ کردوں"۔ بُڑھیا نے جواب دیا۔ "مجھ پر تو نے ظلم کیا ہے! کیوں کہ تیرے غلام جو زور، ظلم کرتے ہیں تیری طاقت کے بل اور قوت کے گھمنڈ پر کرتے ہیں، اس لیے ان کا ظلم، اصل ہیں تیرا ظلم ہے"۔

اس کے بعد بُڑھیا نے سلطان کو اپنی گائے کا واقعہ سُنایا۔ جسے سُن کر بادشاہ رو پڑا اور اس نے حکم دیا کہ "ان غلاموں کو شدید سزائیں اور

بُڑھیا کو ستر گائیں دی جائیں "۔

کہتے ہیں کہ جب سُلطان نے وفات پائی تو بُڑھیا نے نماز کے بعد روتے ہوئے دُعا کی کہ " پادشاہا! پروردگارا! الپ ارسلان کے بیٹے نے میرے حق میں انصاف سے بڑھ کر سلوک کیا تھا۔ تو بھی اس کے حق میں انصاف سے بڑھ کر سلوک کرنا "۔

سلطان کے انتقال کے بعد اس کے ایک غلام نے اسے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا ۔ "خُدا نے آپ کے ساتھ کیا کیا"؟ ملک شاہ نے جواب دیا " اگر زندہ رود کے پُل پر اُس غریب بُڑھیا کا انصاف نہ کرتا تو الپ ارسلان کا بیٹا قیامت تک عذابِ الیم میں مبتلا رہتا "۔

---

(۱۹) حکایت ۔ ہارون الرشید اور اُس کا سپہ سالار

کتاب خلق انسان میں درج ہے کہ جس زمانے میں امیرالمومنین ہارون الرشید رقہ میں تھا ۔ عیسیٰ بن جعفر اس کا سپہ سالار اور اس عہد کا مشہور فاضل عبید بن جوطسان رقہ کا قاضی تھا ۔ ایک دن ایک شخص قاضی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ " امیر عیسیٰ بن جعفر سپہ سالار کے ذمے میرے پانچ لاکھ درم نکلتے ہیں مگر وہ ادا نہیں کرتا ۔ تنگ آکر آج آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں "۔

قاضی نے عیسیٰ کو رقعہ لکھا کہ " امیر کی زندگی دراز ہو ' فلاں فلاں شخص نے عدالتِ قضا میں دعویٰ کیا ہے کہ اس کے آپ کے ذمے پانچ لاکھ درم چاہییں ۔ ازراہِ کرم عدالت میں خود تشریف لائیے یا اپنا مختار بھجوائیے ۔

تاکہ مدعی کی جواب دہی کی جاسکے۔"

قاضی نے یہ رقعہ لکھ کر اُس شخص کے حوالے کیا اور اپنا پیادہ ساتھ بھجوا دیا کہ عیسیٰ کے مکان پر لے جاؤ۔

جب قاضی کا پیادہ اور مدعی عیسیٰ کے مکان پر پہنچے اور ایک خادم کے ہاتھ قاضی کا رقعہ اندر بھجوایا تو عیسیٰ کو بہت غصہ آیا۔ خادم سے کہا۔ جاکر کہہ دو کہ امیر نے رقعہ پڑھ کر پھاڑ ڈالا اور کوئی جواب نہیں دیا۔"

مدعی قاضی کے مکان پر آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ قاضی نے دوبارہ پیادے بھجوائے۔ عیسیٰ نے اُن کو اور قاضی کو خوب صلواتیں سنائیں اور وہ پھر ناکام لوٹے۔ یہ سُن کر قاضی نے پھر رقعہ لکھا کہ" اگر آپ عدالتِ قضا میں آتے ہیں تو اچھا۔ ورنہ میں امیرالمومنین کو اطلاع دوں گا۔"

اس رقعے کے جواب میں بھی امیر پہلے کی طرح سرکشی اور غرور سے پیش آیا۔ اور پیادوں کو گالیوں کے سوا کوئی جواب نہ دیا۔

جب پیادے تیسری مرتبہ بھی ناکام یاب لوٹے تو قاضی نے اپنے دفتر کو قفل لگایا اور گھر میں جاکر بیٹھ رہا۔ پرچہ نویسوں نے امیرالمومنین کو پرچہ دیا کہ قاضی عدالت بند کرکے خانہ نشین ہوگیا ہے۔ یہ سُن کر اُس نے قاضی کو بُلوایا اور غصے کا سبب دریافت کیا۔ قاضی نے تمام واقعہ گوش گزار کیا۔ ہارون الرشید نے ابراہیم عثمان کوتوال کو حکم دیا کہ" اسی وقت عیسیٰ کے مکان پر جاؤ۔ تمام دروازوں پر قفل ڈال کر مُہریں لگا دو اور چاروں طرف سے مکان گھیر لو، نہ کوئی اندر جانے پائے نہ باہر آنے پائے۔ جب تک وہ اُس شخص کے پانچ لاکھ درم ادا نہ کرے وہاں سے نہ ہلو۔"

ابراہیم اپنے آدمیوں کو ہمراہ لے کر عیسیٰ کے مکان پر پہنچا اور اُسے

چاروں طرف سے گھیرے ہیں لے کر پہرے بٹھادیے اور دروازوں پر قُفل لگا دیے۔ عیسٰی کو جونہی پہرے کی خبر تو مل گئی مگر اس کی وجہ نہ معلوم ہو سکی۔ سمجھا کہ کسی اور سبب سے امیر المومنین کا عتاب نازل ہوا ہے اور یہ لوگ اس کی گرفتاری کے لیے آئے ہیں۔ مکان میں کہرام مچ گیا۔ چاروں طرف سے رونے پیٹنے کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ آخر نوکر کو دروازے پر بھیج کر ڈرتے ڈرتے معلوم کرایا کہ پہرے کس کے حکم سے لگائے گئے ہیں''؟

نوکر نے دریافت کر کے جواب دیا" ابراہیم کوتوال کے حکم سے۔" کہا" اسے بلاؤ۔" جب نوکر ابراہیم کو بُلا لایا تو عیسٰی نے امیر المومنین کے عتاب کا سبب دریافت کیا۔ ابراہیم نے سارا واقعہ کہہ سُنایا۔ عیسٰی کی جان میں جان آئی اور اُس نے اُسی وقت پانچ لاکھ درہم لا کر اُس شخص کے حوالے کیے۔ وہ اپنی رقم وصول کر کے ہارون الرشید کی خدمت میں حاضر ہوا اور رقم کی وصولی کی اطلاع دی تب خلیفہ نے حُکم دیا کہ عیسٰی کے مکان سے پہرے اُٹھا لیے جائیں۔

---

(۱۷) حکایت۔ خلیفہ معتضد اور مساوات

صفی نامی ایک شخص امیر المومنین معتضد کے گوداموں کا مہتمم تھا۔ اُس کا انتقال ہوا تو اُس کے ذمے بہتوں کا قرض نکلا۔ چار ہزار دینار امیر المومنین معتضد کے بھی اُس کے ذمے نکلتے تھے۔ دوسری طرف یہ حالت تھی کہ اس کے بال بچوں اور عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ترکہ قرض خواہوں کو دے دیا جاتا تو وہ کیا کھاتے؟ امیر المومنین معتضد نے اُس کے مرنے کی خبر سُنی تو اپنے حاجب عبداللہ بن سلیمان کے ذریعے قاضی کو کہلوایا کہ "صفی کے ترکے میں

سے ہمارے چار ہزار دینار بھی وصول کر کے خزانے میں بھجوا دیے جائیں۔"

خلیفہ کا یہ پیغام سُن کر قاضی نے جواب دیا" امیر المومنین کی حیثیت بھی دوسرے قرض خواہوں کی سی ہے۔ ترکے میں سے حساب کے بعد جس اندازے سے دوسروں کو ملے گا اسی اندازے کے مطابق امیر المومنین کو ملے گا اُن کو پوری رقم نہیں لینی چاہیے۔"

عبداللہ بن سلیمان نے کہا" یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ امیر المومنین اور عام لوگ برابر کیوں کر ہو سکتے ہیں"؟

قاضی نے جواب دیا" قرض کے معاملے میں امیر المومنین اور دوسرے لوگ یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔"

عبداللہ یہ سُن کر بہت حیران ہوُا اور چلا آیا۔

چند روز کے بعد معتضد نے پھر رقم کے تقاضے کے لیے عبداللہ بن سلیمان سے کہا۔ اس نے قاضی کا جواب دہرا دیا۔ خلیفہ قاضی کی بات سُن کر تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا" خدا اُس پر رحمت کرے۔ قاضی ٹھیک کہتا ہے۔" چنانچہ وہ تقسیم پر راضی ہو گیا اور جتنا کچھ اس کے حصے میں آیا اُسی پر قناعت کی۔ پوری رقم کا مطالبہ نہ کیا۔ اور اس طرح خلیفہ کا عدل اور قاضی کا انصاف قیامت تک کے لیے یادگار رہ گیا۔

---

(۱۸) حکایت۔ سُلطان سنجر اور ایک بچے کا شکار

ایک مرتبہ سُلطان سنجر بن ملک شاہ طالقان جا رہا تھا۔ ابھی اُس کی سواری شہر سے بہت دُور تھی کہ ایک لڑکا جلوس دیکھنے کے لیے شہر سے باہر آیا اور ریت کے ایک بہت اُونچے ٹیلے پر انتظار میں کھڑا ہو گیا۔

سُلطان نے دُور سے دیکھا تو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی پرند بیٹھا ہو۔ سمجھا کہ شاید کوا ہے۔ سلاح دار سے کمان مانگی۔ اور تیر جوڑ کر ایسا مارا کہ غریب بچّے کے سینے سے پار ہو گیا۔ ترک غلاموں کو حکم ہوا کہ تیزی سے آگے بڑھ کر معلوم کریں پرندہ کون سا ہے؟

ترک غلام گھوڑے دوڑا کر گئے اور معصوم بچّے کی لاش اٹھا کر سامنے لائے۔ بادشاہ نے پرندے کی جگہ بچّے کی لاش دیکھی تو بہت صدمہ ہوا۔ اور بے اختیار اُس کے آنسو نکل آئے۔ رنج و غم کے مارے حالت بگڑ گئی۔ حُکم دیا کہ اس کا خیمہ اُسی ٹیلے پر لے جاکر نصب کر دیا جائے اور اس لڑکے کے ماں باپ کو تلاش کر کے فوراً حاضر کیا جائے۔

سوار دوڑے ہوئے شہر میں پہنچے اور بہت مشکلوں کے بعد اُس لڑکے کا مکان تلاش کیا۔ معلوم ہوا کہ غریب کی ماں مر چکی ہے۔ باپ موجود ہے۔ اور بہت غریب آدمی ہے۔ بے چارے کا مشکل سے گزارہ ہوتا ہے۔

جب شاہی سوار اسے ہمراہ لے کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچے تو حُکم ہوا کہ خیمے کے اندر لاؤ۔ چناں چہ وہ غریب ڈرتا، کانپتا خیمے کے اندر پہنچا۔ کچھ لوگ اشرفیوں سے بھرا ہوا ایک تھال اور ایک تلوار لیے ہوئے آئے۔ اور دونوں کو بادشاہ کے سامنے رکھ کر ایک طرف ادب سے کھڑے ہو گئے۔

سلطان نے کہا "یہ تلوار رکھی ہے اور یہ اشرفیوں کا تھال۔ دونوں میں سے جو پسند ہو تمھیں اختیار ہے۔ اگر معاف کر دو تو یہ دولت تمھاری ہے اور اگر بدلہ لینا ہے تو میرا سر موجود ہے۔ جو کچھ ہونا ہے یہیں ہو جانا چاہیے کہ کل قیامت کے عتاب کی مجھ میں ہمّت نہیں۔"

اس شخص نے زمین کو بوسہ دے کر عرض کی "جہاں پناہ! میری جان

آپ کے قدموں پر قربان، انتقام کیسا اور قیامت کا عتاب کیوں ؟ ہم لوگ حضور کے عدل و کرم کے سایے میں زندگی گزارتے ہیں۔ اگر غلطی سے کبھی تھوڑا سا نقصان بھی ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ حضور کی سلامتی سب سے زیادہ ضروری ہے۔ کیوں کہ حضور کی ہستی سورج اور چاند کی طرح ہے۔ اگر زمین کا ایک حقیر ذرہ مٹی میں دب جائے تو کوئی ہرج نہیں لیکن سورج کو روشن رہنا چاہیے۔ اگر ایک غریب کا دیا بجھ جائے تو کوئی نقصان نہیں لیکن چاند کا طلوع نہ ہونا ساری دُنیا کا نقصان ہے۔ اور ساری دُنیا میں میری ذات بھی شامل ہے۔ اس لیے عالی جاہ! میں نے اپنے بچے کو آپ کے قدموں پر قربان کیا اور اگر یہ قربانی خون کہلاتی ہے تو میں خون بہا سے درگزرا"۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اشرفیوں کا تھال اس کے گھر پہنچا کر طالقان کی ریاست اس کے حوالے کر دی جائے۔

---

(۱۹) حکایت۔ راجا کا پاپ

ہندستان والوں کی نادر حکایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ نہروالہ میں گورپال نامی ایک راجا تھا۔ وہ ہندستان کے دوسرے راجاؤں میں سب سے زیادہ نیک، انصاف پسند اور عقل مند تھا۔ راج پاٹ ملنے سے پہلے برسوں سادھوؤں کی زندگی بسر کر کے دُنیا کے بھلے بُرے سے واقف اور دُکھ درد سے آشنا ہو چکا تھا اور زمانے کی سردی اور گرمی کا مزہ چکھے ہوئے تھا۔ اس لیے جب وہ راجا ہوا تو اس نے راج کی قدر جانی اور پرجا کی عزت پہچانی۔ عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا اور بخشش و کرم سے کام لیا۔

کہتے ہیں کہ راجا ایک دن ہاتھی پر سوار نہروالہ کے دروازے سے باہر جا رہا تھا کہ اتنے میں ایک خوب صورت دھوبن پر نظر پڑی جو سُرخ رنگ کے کپڑے پہنے گھاٹ کی طرف کپڑے دھونے جا رہی تھی۔ راجا نے اس کا حسین چہرہ دیکھا تو سو جان سے عاشق ہو گیا۔ بے اختیار ہو کر حکم دیا کہ ہاتھی اس کی طرف بڑھایا جائے۔ ہاتھی کچھ دُور گیا تھا کہ راجا کو ہوش آیا۔ دل ہی دل میں سوچا کہ ”مَیں یہ کیا کر رہا ہوں۔ پرائی عورت سے ملنے کا خیال بڑا پاپ ہے۔“

اس خیال کے آتے ہی اُس نے ہاتھی لوٹایا۔ محل میں پہنچ کر برہمنوں کو بُلایا اور بولا ”لکڑیاں اکھٹی کر کے آگ جلاؤ۔ مَیں جلنا چاہتا ہوں“ برہمنوں نے حیران ہو کر پوچھا ”آپ نے ایسا کون سا پاپ کیا ہے؟“

راجا نے سارا واقعہ سُنایا تو برہمنوں نے یک زبان ہو کر کہا ”بے شک راجا کے لیے پرجا کی بہو، بیٹیوں کو بُری نظر سے دیکھنا بہت بڑا پاپ ہے۔ کیوں کہ راجا اپنے پرجا کا باپ ہوتا ہے۔ اگر وہ دُوسرے خاندانوں کی بہو بیٹیوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا تو اُن خاندانوں کی عزّت خاک میں رل جائے گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ خود جل کر اپنے پاپ کو جلا ڈالیں۔

چُناں چہ لکڑیوں کا ڈھیر لگا کر اور گھی چھڑک کر آگ جلائی گئی۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھّی تو راجا اٹھا اور آگ میں کُودنے کے خیال سے آگے بڑھا۔ آگ کے قریب پہنچا ہی تھا کہ پیچھے سے برہمنوں نے آ کر دامن پکڑ لیا اور بولے ”بس کیجیے مہاراج! آپ کا پاپ مِٹ چُکا۔ آپ نے اُس کا بدلہ چُکا دیا۔ کیوں کہ پاپ جو کچھ کیا آپ کے من نے کیا تھا۔ بدن نے نہیں۔ اگر آپ کا بدن پاپ کرتا تو ہم اُسے جلا دیتے۔ چوُں کہ من نے پاپ کیا تھا اور وہ اب تک بُرائی کے احساس کی آگ میں جلتا رہا۔ اس لیے اُس کی

سزا ختم ہوئی ''۔

چناں چہ برہمن راجا کو آگ کے پاس سے ہٹائے گئے۔ راجا نے ایک لاکھ بالو ترے دان کیے۔

---

(۲۰) حکایت۔ محمود غزنوی اور ایک مظلوم

ایک رات سُلطان محمود غزنوی سو رہا تھا کہ یکایک آنکھ کھل گئی۔ پھر لاکھ چاہا کہ دوبارہ نیند آجائے مگر نیند کوسوں دور نکل چکی تھی۔ بستر پر تڑپتا اور کروٹیں بدلتا رہا۔

جب کوشش کے باوجود کسی طرح آنکھ نہ لگی تو خُدا ترس بادشاہ کو خیال آیا کہ "شاید کوئی مظلوم فریاد لایا ہو یا کوئی فقیر بھوکا آیا ہو۔ اسی لیے میری نیند اُچٹ گئی ہو''۔

غُلام کو حُکم دیا'' باہر جاکر دیکھو کون ہو''؟

غُلام نے باہر جاکر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ واپس آکر کہا "جہاں پناہ، کوئی شخص نہیں''۔

محمود نے پھر چاہا کہ سو رہے مگر نیند نہ آنی تھی، نہ آئی۔ وہی بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی۔ غلاموں کو دوبارہ کہا۔" اچھی طرح دیکھ کر آؤ۔ کون داد خواہ آیا ہو''؟

غلام دوڑے ہوئے گئے اور اِدھر اُدھر دیکھ بھال کرکے واپس آکر بولے ''حضور کوئی نہیں ہو''۔

سُلطان کو شبہہ ہوا کہ شاید غلام تلاش کرنے سے جی چُراتے ہیں۔

غصّے میں خود اُٹھ کھڑا ہوا اور تلوار ہاتھ میں لیے ہوے باہر آگیا۔ بہت تلاش کی مگر کوئی شخص نظر نہ آیا۔ قریب ہی ایک مسجد تھی۔ اُس کے دروازے میں آکر اندر کی طرف جھانکا تو آہستہ آہستہ کسی کے رونے کی آواز آئی۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو ایک شخص فرش پر پڑا ہوا نظر آیا۔ اُس کا مُنھ زمین سے لگا ہوا تھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آہیں بھر رہا تھا اور چُپکے چُپکے کہ رہا تھا ؎

"اے کہ از غم ندیدۂ خواری　　از غمِ ما کجا خبر داری
خفتہ ماندی چو بخت ما ہمہ شب　　تو چہ دانی ز رنج بیداری

سُلطان کا دروازہ بند ہے تو کیا ہے سبحان کا دروازہ کھُلا ہے۔ اگر محمود ولی سو رہا ہے تو کوئی حرج نہیں محمود ازلی جاگ رہا ہے۔"

محمود یہ سُن کر اُس کے بالکل قریب پہنچ کر بولا "محمود کی شکایت کیوں کرتا ہے؟ وہ تو ساری رات تیری تلاش میں بے چین رہا ہے۔ بتا تجھے کیا تکلیف ہے؟ کس نے ستایا ہے؟ کہاں سے آیا اور کس غرض سے آیا ہے"؟

یہ سُن کر وہ شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور پھوٹ پھوٹ کر روتا ہوا بولا "حضور کے ایک درباری کے ہاتھوں ستایا ہوا آیا ہوں۔ مگر اُس کا نام نہیں جانتا۔ اُس نے میری عزّت خاک میں ملا دی ہے۔ آدھی آدھی رات کو مستی کے عالم میں میرے گھر آتا ہے اور میری شریکِ زندگی کی عصمت کو داغ دار کر جاتا ہے۔ اگر آپ نے اپنی اس تلوار کی آب سے اس داغ کو نہ دھویا تو کل قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان۔"

یہ سُن کر محمود کو مذہبی غیرت اور شاہی حمیّت کے جوش سے پسینہ آگیا۔ غصّے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا "بتا کیا اس وقت بھی وہ ملعون وہیں ہوگا؟"

اُس شخص نے جواب دیا "اب تو بہت رات گزری ہے۔ شاید

چلا گیا ہو۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ کل پرسوں پھر آئے گا۔"

سُلطان نے کہا "اچھا اس وقت تو جاؤ۔ کل پرسوں جس وقت وہ آئے مجھے فوراً اطلاع کرو۔"

اُس شخص نے سُلطان کو دُعا دی اور رخصت ہو کر چلا ہی تھا کہ سُلطان نے ٹھیرنے کا حُکم دیا۔ اور پہرے داروں سے کہا۔ "دیکھو یہ صاحب جس وقت بھی آئیں۔ خواہ میں سوتا ہوں یا جاگتا ہوں فوراً اُن کو مجھ تک پہنچاؤ۔" اتنا کہہ کر محمُود اندر اور وہ شخص اپنے گھر چلا گیا۔

تیسری رات وہ شخص شاہی محل سرا کے دروازے پر پہنچا۔ پہرے داروں نے اس کی شکل دیکھتے ہی سُلطان کی خدمت میں پہنچا دیا۔ سُلطان جاگ رہا تھا۔ تلوار لے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا "چلو راتوں کو اُس شکار کرنے والی لومڑی تک مجھے لے چلو۔"

یہ سُن وہ شخص آگے ہو لیا اور سُلطان اُس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔

گھر پہنچ کر اُس شخص نے سُلطان کو وہ جگہ بتائی جہاں وہ ظالم شخص خزانے کا سانپ بنا ہوا سو رہا تھا۔ سُلطان نے تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ ایسا جمایا کہ تمام فرش پر انصاف کا لالہ زار کھِل گیا۔ اس کے بعد سُلطان مُڑا اور مظلوم صاحبِ خانہ کو بُلا کر فرمایا "اب تو تو محمُود سے خوش ہوا؟"

یہ کہہ کر محمُود نے مصلیٰ منگوایا اور ایک طرف بچھا کر دو رکعت نماز شکرانے کی پڑھی۔ پھر اُس شخص کو مخاطب کر کے پوچھا "گھر میں کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔"

اُس شخص نے جواب دیا "ایک چیونٹی، سلیمان کی کیا خاطر کرسکتی ہے؟

غریب خانے میں حضور کے لائق کوئی چیز نہیں ہے۔ جو کچھ ہے حاضر کرتا ہوں"۔
یہ کہہ کر وہ دسترخوان ڈھونڈ کر سوکھی روٹی کے کچھ ٹکڑے لیے ہوئے آیا۔ اور سلطان کے سامنے رکھ دیے۔ سلطان نے اس درجہ شوق اور رغبت سے یہ ٹکڑے کھائے کہ شاید عمر بھر میں کبھی کوئی لذیذ غذا اس طرح نہ کھائی ہوگی۔

کھانے سے فارغ ہو کر سلطان نے اس شخص سے کہا "معاف کرنا کہ میں نے تمھیں کھانے کے لیے تکلیف دی۔ لیکن سنو بات یہ ہے کہ جس روز تم ملے اور تم نے مجھے اپنا دکھڑا سنایا۔ اُس وقت میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک اس خبیث کے سر کو شانے سے جدا کر کے تمھارے گھر کو پاک نہ کر دوں گا، رزق کو حرام سمجھوں گا۔ میری شکرانے کی دو رکعت نماز پر تم کچھ حیران ہو رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کے متعلق مجھے اندیشہ تھا کہ میرے بیٹوں میں سے کوئی ہوگا۔ میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ میرے درباریوں اور مصاحبوں کو اتنی جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ میرے مزاج سے واقف ہوتے ہوئے ایسی حرکت کریں۔ چناں چہ میں جس قدر زیادہ سوچتا گیا اُسی قدر میرا یقین بڑھتا گیا کہ اتنی بڑی گستاخی کی ہمّت صرف بادشاہوں کی اولاد کو ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ یہ عام طور پر غرور کے نشے سے مست رہتے ہیں۔ چناں چہ میں تمھارے ساتھ یہاں اپنے کسی فرزند کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔ لیکن قتل کرنے کے بعد جب میں نے اس کی صورت دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ میرا فرزند نہیں بلکہ کوئی غیر شخص ہے۔ اس لیے میں نے خدا کا شکر ادا کیا"۔

---

(۲۱) حکایت ۔ اذان کا ڈر

بغداد کے کسی سوداگر کا ایک سپہ سالار کے ذمے بہت سا روپیہ نکلتا تھا لیکن سپہ سالار کسی طرح ادا نہ کرتا تھا۔ سوداگر جب کبھی تقاضے کے لیے اس کے مکان پر جاتا وہ اُسے گالیاں دیتا اور بے عزتی کرتا تھا۔ سوداگر نے بڑے بڑے لوگوں کی سفارشیں پہنچائیں مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ خوشامدیں کیں، رویا دھویا لیکن بے سوُد۔ سوداگر کہتا ہے کہ "ایک دن میں اپنے کسی دوست کے سامنے یہی رونا رو رہا تھا۔ اُس نے کہا "میں تمھاری رقم کی وصولی کی ترکیب بتاتا ہوں ذرا میرے ساتھ بازار تک چلو۔"

چُناں چہ میں اپنے دوست کے ساتھ ہولیا۔ وہ مجھے ایک درزی کی دُکان پر لے گیا۔ درزی دُکان کے دروازے پر بیٹھا ہوا قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہا تھا۔ میرے دوست نے مجھ سے کہا "اپنا واقعہ اس درزی کو سُنا دو۔ یہ تمھاری رقم دلوا دے گا۔"

میں نے اپنا سارا واقعہ درزی کو سُنایا۔ جسے سُن کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا "آؤ تمھاری رقم دلواؤں۔"

میں اور میرا دوست درزی کے ساتھ ہولیے۔ تھوڑی دوُر چل کر میں نے اپنے دوست سے کہا "تم شاید مجھ سے مذاق کر رہے ہو۔ بڑے بڑے لوگوں نے سفارشیں کیں مگر اُس بے ایمان سپہ سالار نے ایک کوڑی تک تو دی نہیں۔ اس بے چارے درزی کی وہ کیا پروا کرے گا۔ پہلے کی طرح ذلیل کر کے باہر نکلوا دے گا۔"

میرا دوست بولا "تم جاؤ تو سہی۔ تمھارا کام ہو جائے گا۔"

الغرض ڈرتا کانپتا میں درزی کے ساتھ سپہ سالار کے مکان پر پہنچا۔ بہت سے خادم اور سپاہی دروازے پر موجود تھے۔ درزی کو دیکھتے ہی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ چومنے کے لیے آگے بڑھے۔ درزی نے امیر کو پوچھا جواب ملا "شکار کو گئے ہیں۔ جناب نے کس طرح قدم رنجہ فرمایا؟ اگر کوئی ایسی خدمت ہے جو امیر کے بغیر انجام دی جاسکتی ہے تو ہم حاضر ہیں، ورنہ امیر کا انتظار فرمائیے۔"

درزی نے کہا "میں انتظار کرتا ہوں۔" خادم ہمیں اندر لے گئے اور بڑی عزت کی جگہ بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر میں امیر آ پہنچا۔ درزی کو دیکھ کر بہت تعظیم کی اور مزید خاطر داری کے لیے بولا "فرمائیے، کیا حکم ہے جب تک تعمیل نہ کرلوں گا کپڑے نہیں بدلوں گا۔"

درزی نے کہا "اس سوداگر کی رقم ادا کر دیجیے۔"

سپہ سالار نے جواب دیا "اس وقت خزانے میں پانچ ہزار درم سے زیادہ حاضر نہیں۔ ان سے کہہ دیجیے کہ فی الحال تو یہ قبول فرمالیں۔ باقی رقم میں قسطوں میں ایک مہینے کے اندر اندر ادا کردوں گا۔ اگر ایک مہینے میں ادا نہ کر سکوں تو میں انھی کو اپنا مختار مقرر کرتا ہوں۔ یہ جس وقت چاہیں میرا سامان یا مکان فروخت کر کے اپنا رُپیہ وصول کرلیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے آدمی بھیج کر پانچ ہزار درم منگوائے اور درزی کو گواہ کر کے میرے حوالے کر دیے۔ رقم وصول کر کے میں خوش خوش درزی کے ساتھ اس کی دُکان پر آیا اور رُپیہ اس کے سامنے رکھ کر بولا "یہ سب رقم آپ کی ہے۔ کیوں کہ آپ کی کوشش سے وصول ہوئی ہے۔ اس میں سے جتنی آپ چاہیں قبول فرمائیں۔"

درزی نے جواب میں کہا "خدا تعالیٰ تمھیں برکت دے۔ مجھے

ایک پیسے کی بھی ضرورت نہیں ہی۔ خیریت سے گھر جاؤ اور اپنی رقم سنبھال کر لے جاؤ۔"

میں نے کہا "ایک گزارش اور ہی اور وہ یہ کہ جب اتنے بڑے بڑے معزز لوگوں کے کہنے سُننے سے سپہ سالار نے میری بات نہ سُنی اور مجھے کوڑی تک نہ دی تو کیا وجہ ہی کہ آپ کے ایک اِشارے پر وہ سیدھا ہو گیا۔ آپ کا اُس پر ایسا کون سا اثر ہی؟"

درزی نے جواب دیا "اسے پُوچھ کر کیا کروگے؟ آم کھانے سے کام پیڑ گِننے سے کیا کام، خُدا نے تمھارا کام کر دیا۔ اُس کا شُکر کرو اور گھر جاؤ۔ میرے کام کا بھی ہرج ہو رہا ہی۔"

میں نے بہت خوشامد اور عاجزی کی تو درزی نے جواب میں کہا "کوئی خاص بات نہیں ہی لیکن تم کسی طرح نہیں مانتے تو سُنو! کئی سال سے میں اُس سامنے والی مسجد میں اذان دیا کرتا ہوں۔ اور محض ثواب کی خاطر پابندی کا بھی خیال رکھتا ہوں۔ ایک دن کا ذِکر ہی کہ میں مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک تُرک ایک عورت کو زبردستی پکڑ کر لے جا رہا ہی۔ عورت چیخ رہی ہی چِلّا رہی ہی لیکن وہ ایک نہیں سُنتا۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے اُسے ڈانٹا۔ مگر وہ اُلٹا میرے سر ہو گیا اور ایک ہاتھ سے عورت کو پکڑے رہا اور دُوسرے ہاتھ سے مجھ پر اتنے ڈنڈے برسائے کہ میری کمر، سر، اور پسلیوں کو چُور چُور کر دیا۔ اور اُس عورت کو لیے ہوئے اپنے گھر چل دیا۔ میری ہڈی پسلی تو ایک ہو چکی تھی مگر اسلامی حمیت، مذہبی غیرت اور اس مظلوم عورت کی مصیبت کے خیال نے مجھ میں اتنی ہمت پیدا کر دی کہ میں محلے کے لوگوں کو جمع کر کے اُس تُرک کے مکان پر پہنچا اور

چاہا کہ اُن کی مدد سے اُس غریب کو اُس ظالم کے پنجے سے چھڑاؤں۔ ترک اُجڈ آدمی ستی کے عالم میں غصے سے بھرا ہوا ہاتھ میں تلوار لیے باہر نکلا اور ایک لمحے میں تمام لوگ بھاگتے نظر آئے۔ میں نے اُسے پھر سمجھانے بجھانے کی کوشش کی مگر اُس نے ایک نہ سُنی اور لاتوں اور گھونسوں سے میری دوبارہ تواضع کرکے اپنے گھر میں جا گھسا۔ شکر ہے کہ اس نے تلوار سے میری خبر نہ لی۔ ورنہ تمھیں آج یہ پانچ ہزار درم نہ ملتے۔ الغرض میں دوبارہ مار کھا کر گرتا پڑتا اپنے گھر پہنچا۔ رنج و غم اور غصے کے مارے میرا بُرا حال تھا۔ آدھی رات تک مچھلی کی طرح تڑپتا رہا۔ بھوک پیاس اور بے خوابی نے جنون کا عالم طاری کردیا تھا۔ اسی جنون نے مجھے ایک تدبیر سُجھائی۔ وہ یہ کہ اگر میں اسی وقت مسجد میں جا کر اذان دے دوں تو وہ بے ایمان سمجھے گا کہ صبح ہوگئی اور اُس مظلوم کو چھوڑ دے گا۔ چناں چہ میں فوراً مسجد میں پہنچا اور مینار پر چڑھ کر اذان دینے لگا۔ اس سے فارغ ہو کر وہیں بیٹھ رہا کہ دیکھوں غیب کے پردے سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

مجھے بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ سڑک پر مشعلیں دکھائی اور آوازیں سُنائی دیں۔ کچھ لوگ مسجد کے دروازے پر آئے اور چلّا کر بولے "یہ اس وقت اذان کس نے دی ہے"؟

میں نے کہا "میں نے دی ہے اور............"

ایک نے بات کاٹ کر کہا "چلو تمھیں امیر المومنین بُلاتے ہیں"۔

یہ سُن کر میں مینار سے اُترا اور اُن کے ساتھ بارگاہِ خلافت میں پہنچا میرے ساتھی باہر رہ گئے۔ امیر المومنین معتضد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام اور دست بوسی کرچکا تو امیر المومنین نے دریافت کیا "تم نے بے وقت اذان کیوں دی؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اس سے کیسے

کیسے نقصانات ہوئے ہوں گے ؟ روزہ داروں نے کھائے پیے بغیر روزہ رکھ لیا ہوگا۔ کوتوال نے گشت ختم کردی ہوگی۔ پہرہ دار گھر چل دیے ہوں گے"

میں نے عرض کی "اگر امیرالمومنین اجازت مرحمت فرمائیں اور جان کی امان پاؤں تو اس بے وقت کی اذان کا سبب عرض کروں"۔

فرمایا "کہو"

میں نے شروع سے آخر تک سارا قصہ کہہ سنایا، اور اپنے زخموں اور چوٹوں کے تمام نشانات دکھائے۔ خلیفہ نے بدر حاجب کو حکم دیا "فوراً جاؤ اور اُس عورت اور تُرک کو اسی وقت حاضر کرو"!

بدر حاجب گیا اور تھوڑی دیر میں اس تُرک اور عورت کو لاکر پیش کردیا۔ امیرالمومنین نے عورت سے صورتِ حال دریافت کی۔ اُس نے وہی واقعہ سُنا دیا جو میں سُنا چکا تھا۔ اس پر خلیفہ نے بدر کو حکم دیا کہ "اس عورت کو اس کے خاوند کے پاس لے جاؤ اور اُس سے کہو کہ اس بے چاری کو کچھ نہ کہے اور اچھا سلوک کرے"۔

پھر مجھے قریب آنے کا حکم دیا۔ میں پاس آکر کھڑا ہوگیا تو اُس نے تُرک غلام سے پوچھا "تیری کتنی تنخواہ ہے"؟ غلام نے جواب دیا "اتنی" پوچھا "خرچ کتنا ہے"؟ جواب ملا "اتنا"۔

اس پر بگڑ کر بولا "اس کے باوجود تو ایک کنیز نہیں خرید سکتا ؟ نہ سہی۔ لیکن میری ہیبت کا تیرے دل پر کوئی اثر نہیں ؟ جو تجھے گناہ سے باز رکھ سکے"۔

غُلام کوئی جواب نہیں دے سکا۔ خلیفہ نے ایک بورا منگوایا اور اُس میں غلام کو بند کراکے اوپر سے خوب ٹھکائی کرائی۔

پھر مجھ سے فرمایا "آیندہ بھی جب کبھی کوئی ایسی حرکت دیکھو تو ترکوں کو منع کرو۔ اگر وہ نہ مانیں تو مجھے اطلاع کرنے کی نشانی اذان ہے۔ جب کبھی بے وقت اذان کی آواز میرے کانوں میں پہنچے گی۔ میں سمجھ جاؤں گا کہ تم کسی بڑی بات کے متعلق مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو۔"

یہ سُن کر میں سلام کرکے رخصت ہوا۔ خیال تو یہ تھا کہ اذان کے معاملے سے صرف میں اور امیرالمومنین باخبر ہیں۔ لیکن ہوا یہ کہ یہ واقعہ دوسرے ہی دن تمام درباریوں، مصاحبوں اور عہدے داروں میں پھیل گیا۔ اور ان کے ذریعے تمام فوجیوں اور غلاموں بلکہ تمام شہر والوں میں مشہور ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے اس دن کے بعد کبھی بے وقت اذان دینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ کیوں کہ میری اس بے وقت اذان سے سب ڈرتے ہیں۔"

---

(۲۲) حکایت۔ سُلطان معزالدین محمد بن سام غوری کی انصاف پسندی

سُلطان شہید معزالدنیا والدین محمد سام کو نہروالہ کی فتح میں ناکام رہ کر غزنین لوٹے ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے اور وہ اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے جنگی تیاریوں میں مصروف تھا کہ کسی نے عرضی لکھ کر بھیجی کہ نہروالہ میں ایک مشہور سوداگر ہے جس کا نام وسالہ ابہر ہے۔ وہ ہمیشہ لاکھوں کا مال تجارت کی غرض سے ان علاقوں میں بھجوایا کرتا ہے۔ چناں چہ اس وقت بھی اُس کا دس لاکھ کے قریب کا مال غزنین آیا پڑا

ہے۔ اگر بادشاہ سلامت چاہیں تو اس مال کو ضبط کر کے خزانے میں بھجوایا جاسکتا ہے۔ اس سے نہ صرف خزانہ معمور ہوگا بلکہ شاہی شان و شوکت میں بھی اضافہ ہوگا۔"

سلطان نے عرضی کی پشت پر لکھ دیا کہ "دسالہ ابھر کا یہ مال اگر نہروالہ میں ہوتا اور وہاں اس پر قبضہ کیا جاتا تو ہمارے لیے حلال تھا لیکن غزنین میں اس مال پر قبضہ کرنا ہمارے لیے حرام ہے۔"

یہ اسی انصاف پسندی کی برکت تھی کہ دو سال بعد بادشاہ کریم قطب الدنیا والدین نے دہلی سے نکل کر نہروالہ پر حملہ کیا اور اُسے فتح کر کے چھوڑا۔
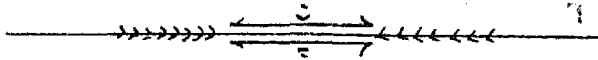
باب ہفتم

در سیرِ ملوک و ماثرِ ایشان در ملک داری

(۱) حکایت ۔ محمودؔ غزنوی اور ایک غلام

ایک دن یمین الدولہ محمود بن سبکتگین جمعے کی نماز پڑھنے جا رہا تھا ۔ راستے میں ایک خوب صورت تُرک غلام کھڑا نظر آیا ۔ سلطان کی سواری قریب پہنچی تو غلام نے زمین کو بوسہ دیا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا ۔ سلطان نے گھوڑے کی باگ روکی اور پوچھا "تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے"؟

غلام نے جواب دیا "مجھے فلاں سوداگر ترکستان سے لایا تھا اور تمام رستے مجھ سے یہ کہتا آیا تھا کہ "تجھے سلطان کی خدمت میں لے جا کر پیش کروں گا اور اس کے خدمت گاروں میں رکھا دوں گا"۔ چناں چہ میں نے اس امید میں وطن چھوڑا اور سفر کی تکلیفیں برداشت کیں ۔ لیکن جب بلخ پہنچا تو امید کے خلاف اُس نے مجھے حسن بن عبداللہ دبیر کے ہاتھ ایک ہزار دینار میں فروخت کر دیا ۔ اُس دن سے آج تک میں اُس کی قید میں ہوں ۔ آج موقع پا کر گھر سے نکلا اور حضور کے قدموں تک پہنچا ہوں تاکہ اپنا قصہ حضور کو سناؤں"۔

سلطان نے یہ باتیں سنیں تو اُس کی پیشانی پر بل پڑ گئے ۔ غصے کے مارے کانپتے ہوئے اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ "اس کو خوب پیٹو"۔

سپاہیوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب خوب پیٹ چکے تو فرمایا "اے حسن بن عبداللہ کے پاس لے جاؤ، اور ہماری طرف سے کہو کہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ تو اس غلام کے لیے تو ہزار دینار خرچ کر سکتا ہے مگر سو درم تنخواہ میں ایک دربان نہیں رکھ سکتا۔ جو تیری ڈیوڑھی پر پہرہ دے۔ تاکہ تیرا غلام باہر نہ نکل سکے اور ہم تک نہ آ سکے۔" سلطان نے یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا۔ ادھر لوگ اُس غلام کو اس کے مالک کے پاس لے گئے۔

جب سلطان نماز سے فارغ ہو کر محل میں پہنچا اور عصر کے وقت دربار ہوا تو ایک مصاحب نے عرض کی "آج تو بادشاہ سلامت نے اس غلام کو بہت سخت سزا دی۔"

سلطان نے جواب دیا "بہت سخت سزا دی ہے؟ میں تو اسے دو ٹکڑے کرنے کا حکم دیتا مگر خیال آیا کہ حسن بن عبداللہ کے ایک ہزار دینار ضائع ہوں گے۔ وجہ یہ کہ اگر ہم اس غلام کو سزا نہ دیتے اور یوں ہی چھوڑ دیتے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آیندہ جب کبھی کوئی غلام اپنے آقا سے ناراض ہوتا یہی طریقہ اختیار کرتا اور اس طرح تمام غلام اپنے مالکوں کو نقصان پہنچاتے۔ زیادہ تر مالک ہمارے اُمرا اور فوجی سردار وغیرہ ہیں اور وہ ہمارے لیے بیسیوں جنگوں میں حصہ لیتے ہیں اس لیے غلاموں کی خود غرضی کی وجہ سے ہم اپنے قدیم خدمت گاروں کو ناراض نہیں کر سکتے۔"

---

(۲) حکایت۔ نااہلوں کی تربیت

ایک دن امیرالمومنین معتصم نے احمد ابی داؤد سے کہا کہ "میرا بھائی مامون

جس اہل کار کو بڑھاتا تھا، وہ اپنے آپ کو اس کے لائق ثابت کر کے دکھاتا تھا۔ ایسے لوگوں کی وجہ سے نہ صرف مخلوق کو فائدہ پہنچتا تھا بلکہ حکومت کا کام بھی خوب چلتا تھا۔ طاہر الحسین، عبداللہ طاہر، اور احمد ابی خالد کیسے معقول اور قابل اشخاص گزرے ہیں۔ برخلاف اس کے مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا۔ جس سے حکومت کے کاروبار میں مدد مل سکے۔"

قاضی احمد ابی داؤد نے جواب دیا "یا امیر المومنین! بات یہ ہے کہ مامون جڑ کا خیال رکھتا تھا اور آپ شاخ پر نظر رکھتے ہیں۔ شاخ کو کتنا ہی پانی دیجیے پھل پھول نہیں دے سکتی۔ نااہلوں کو ترقی دینا، شور زمین میں بیج بونا ہے۔"

---

(۳) حکایت۔ عبداللہ بن طاہر اور ایک امیرزادہ

ایک دن عبداللہ بن طاہر نے دربارِ عام کا حکم دیا تھا۔ مختلف لوگ اپنی اپنی حاجتیں پیش کر رہے تھے کہ اتنے میں عزنین کا ایک شریف زادہ جو حسب نسب کے لحاظ سے بلند مرتبہ رکھتا تھا اور طاہر کے مخلصوں میں سے تھا، آیا اور طاہر کی تعریف کر کے بولا "امیر پر میرے دو حق ہیں۔ حقِ خدمت اور حقِ نعمت۔ اُمید ہے کہ حضور وہ دونوں حق آج ادا کر دیں گے۔"

امیر عبداللہ نے پوچھا "وہ کون سے حق ہیں۔ بیان کرو۔" اُس نے جواب دیا "فلاں روز جب حضور کی سواری ہمارے گھر پہنچی تھی۔ میں نے گھر کے باہر اچھی طرح چھڑکاؤ کرا دیا تھا تاکہ امیر کے دامن پر گرد و غبار نہ بیٹھے۔ یہ ہے حقِ نعمت۔ پھر ایک مرتبہ جب حضور سوار ہونا چاہتے تھے، میں نے دوڑ کر حضور کو سہارا دیا اور گھوڑے پر سوار کرایا۔ یہ حقِ دولت ہے۔"

امیر نے جواب دیا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ تمہارے یہ دونوں حق مجھ پر ہیں۔ بتاؤ میں یہ حق کس طرح ادا کروں"؟ غزنین کے شریف زادے نے جواب دیا "اگر امیر یہ دونوں حق ادا کرنا چاہتے ہیں تو باآورد مجھے عطا فرمائیں تاکہ وہاں سے ایک لاکھ درم وصول کرلوں اور آرام سے زندگی بسر کروں"۔

امیر نے پوچھا "اگر میں یہ ایک لاکھ درم تمہیں یہیں دے دوں تو کیسا؟ باآورد کی ولایت کے جھگڑوں سے بچ جاؤ گے"۔ جواب دیا "یا امیر حکومت میں جو لطف ہے وہ کسی دولت میں نہیں ہے"۔

امیر عبداللہ نے حکم دیا کہ باآورد کی امارت اس کے حوالے کر دی جائے۔

---

(۴) حکایت۔ آبادی میں اضافہ

شیخ ابوسہل تستری رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جب زیاد بن سہل خراسان کا امیر ہوا تو اس نے مجھے بلا کر پوچھا "نجات اور بادشاہی کا طریقہ کون سا ہے"؟

میں نے جواب دیا "دونوں چیزوں کی بنیاد انصاف، بزرگوں کے حقوق کی نگہداشت، کجی سے پرہیز اور سچائی پر عمل کرنے پر ہے"۔

زیاد نے ان باتوں کو ذہن میں رکھا اور ان پر عمل کیا۔ خراسان کے حدود میں ایک شہر تھا کسی زمانے میں ویران تھا اور اب اس کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی۔ لیکن خراج وہی چلا آتا تھا جو اس کی ویرانی کے زمانے میں تھا۔ شہر کے لوگ ڈرتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ زیاد کا گزر ادھر نہ ہو۔ ورنہ

شہر کی آبادی دیکھ کر وہ خراج بڑھا دے گا۔" اتفاق ایسا ہوا کہ ایک مرتبہ زیاد اس شہر میں آنکلا۔ آبادی دیکھ کر بہت خوش ہوا اور شہر کے سربرآوردہ رؤسا کو بلا کر کہا کہ اصل خراج میں سے ایک لاکھ درم کم کیے جاتے ہیں، منادی کرا دو کہ جو شخص عمارتوں میں اضافہ کرے گا میں اُس کے خراج میں کمی کر دوں گا۔"

جب رعایا نے یہ شفقت دیکھی تو عمارتوں میں شوق سے اضافہ کرنے لگی۔ اور وہ شہر پہلے سے زیادہ آباد ہو گیا۔

---

(۵) حکایت۔ مجدالملک اور ایک بڑھیا

سلجوقیوں کے عہد میں مجدالملک نیشاپور کا وزیر تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے ایک عالی شان محل بنانا چاہا۔ تعمیر کی جگہ ایک غریب بڑھیا کا گھر تھا۔ مجدالملک نے اُسے گرا دیا اور اپنا محل تعمیر کر لیا۔ بڑھیا گھر سے بے گھر ہو کر صدمے کے مارے پاگل ہو گئی۔ قبرستان میں گھومتی اور بددعا کرتی کہ "الٰہی مجدالملک نے میرا گھر اُجاڑا ہے تو اس کا گھر اُجاڑ۔ اسے بھی اس کے محل میں رہنا بسنا نصیب نہ ہو۔"

خدا نے بڑھیا کی دعا سن لی۔ مجدالملک کو اُس محل میں رہنا نصیب نہ ہوا اور وہ مر گیا۔ ایک مدت کے بعد بڑھیا نے اُس محل کا ایک حصہ خرید لیا اور اُس میں رہنے لگی۔

راوی کہتا ہے کہ میں اکثر اُس بڑھیا کی زیارت کو جاتا تھا۔ میں نے اُس سے سوال کیا کہ "جب تجھے اپنے گھر کی قیمت نہیں ملی تھی تو تو نے یہ حصہ کیوں کر خرید لیا؟"

بڑھیا نے جواب دیا "ایک دن میں جنگل میں پھر رہی تھی اور

مجدالملک کو بددُعا دے رہی تھی کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی دے کر بولا "یہ تھیلی سُلطان ابراہیم نے غزنین سے بھیجی ہے۔ تاکہ تو اس رقم سے اپنا گھر خرید سکے اور آئندہ مُسلمانوں کے حق میں بددُعا نہ کرسکے۔ چُناں چہ میں نے وہ تھیلی لے لی اور اُس سے اپنا گھر واپس خرید لیا۔"

---

(۹) حکایت۔ کام یاب سفیر

جب مہلب بن ابی صفرہ نے قطری بن الفجات کو شکست دی اور بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو اُس نے بہت سا مال مالک کو دے کر حجاج کی خدمت میں روانہ کیا۔ چلتے وقت اُسے نصیحت کی کہ "دیکھنا، زبان قابو میں رکھنا۔ کیوں کہ زبان کا گھاؤ، بھالے کے گھاؤ سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔" الغرض جب مالک حجاج کی خدمت میں حاضر ہُوا تو حجاج نے پوچھا "تمھارا نام کیا ہے"؟

مالک نے جواب دیا "مالک"۔

حجاج نے پوچھا "مہلب کو کس حال میں چھوڑا"؟

مالک نے جواب دیا "خوش و خرم اور فتح مند۔ دوستوں کو خوش کرنے اور دُشمنوں کو سزا دینے میں مصرُوف۔ دُشمن اُس سے ڈرتے تھے اور دوست اپنی مُراد کو پہنچ رہے تھے"۔

حجاج نے پوُچھا "فوج سے اُس کا سلوک کیسا ہے"؟

مالک نے جواب دیا "جس طرح مائیں اپنے بچوں پر شفقت کرتی ہیں"۔

حجاج نے دریافت کیا۔ "فوج اور رعایا اس کی فرماں برداری کس طرح کرتی ہے"؟

جواب دیا "جیسے حلال کی اولاد اور زر خرید غلام اپنے بزرگوں اور آقاؤں کا حکم بجا لاتے ہیں۔"

پوچھا "سپاہیوں کی تربیت اور حالت کیسی ہے؟"

جواب دیا "نعمتوں میں پلے ہیں اور خدمتوں سے خوش ہیں۔"

حجاج نے دریافت کیا "بزم و رزم میں اُن کا کیا حال ہے؟"

مالک نے جواب دیا "رزم میں اپنی جان کی اور بزم میں مال کی پروا نہیں کرتے۔"

پوچھا "قطری خارجی اور مہلب میں کس طرح گزری؟"

جواب دیا "دونوں حریف طاقت ور تھے مگر قطری ناکام رہا اور ہمیں خدا نے کامیابی عطا کی۔ جب اُسے شکست ہوئی تو ہم نے اُس کا تعاقب کیا، کیوں کہ مناسب یہ معلوم ہوا کہ شکست کو دشمن کا دوست بنا دیں۔"

حجاج نے پوچھا "مہلب کے فرزندوں کا علم و ہنر کے لحاظ سے کیا حال ہے؟"

مالک نے جواب دیا "علم و ہنر کے لحاظ سے اُن کی حیثیت ایک دائرے کی سی ہے جس کا اوّل اور آخر معلوم نہیں کیا جا سکتا۔"

یہ سُن کر حجاج نے کہا "اس جوان مرد نے اتنی اچھی باتیں کیں کہ مہلب کی ہماری نظروں میں قدر و عزت پیدا کر دی۔"

---

(۷) حکایت۔ خلیفہ منصور اور ایک اعرابی

ایک دن امیر المومنین منصور اپنے مصاحبوں اور ندیموں میں بیٹھا

باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک اعرابی نے آکر ایک قصیدہ پیش کیا۔ اور حکم ملنے پر سُنایا۔ تمام حاضرین نے اُس قصیدے کو پسند کیا اور سراہا۔ منصور نے بھی بہت داد دی۔

جب منصور اُٹھ کر جانے لگا تو اُس کے مصاحب تھوڑی دُور تک چھوڑنے کے لیے ساتھ ہو لیے۔ اعرابی بھی اُن میں شامل تھا۔ راستے میں اُس نے ایک مصاحب سے کہا "میرا خیال ہے کہ امیرالمومنین مجھے مال دار کر دے گا۔"

مصاحب نے جواب دیا "امیرالمومنین فضول خرچ نہیں ہے۔ جو کچھ دیتا ہے حساب سے دیتا ہے۔"

اعرابی نے کہا "اچھا اگر وہ مجھے مال دار نہیں کرے گا تو سزا تو ضرور دے گا۔"

مصاحب نے جواب دیا "نہیں امیرالمومنین اتنا تیز مزاج نہیں ہے کہ خواہ مخواہ تمھیں سزا دے۔"

یہ سُن کر اعرابی بولا "تو پھر تمھارا امیر دیوانہ ہے۔"

پرچہ نویسوں نے یہ خبر منصور کو پہنچا دی۔ اُس نے اعرابی کو بُلا کر پُوچھا "تو نے مجھ میں دیوانگی کی کون سی علامت دیکھی؟"

اعرابی نے جواب دیا "عقل مند وہ ہوتا ہے کہ اپنی نظروں کو محفوظ رکھتا ہے۔ اور جب کسی کی طرف دیکھتا ہے تو اُس میں اپنی نظروں کا اثر پیدا کر دیتا ہے۔ جب آپ نے میری طرف دیکھا اور مجھ میں آپ کی نظروں کا کوئی اثر پیدا نہ ہوا تو میں نے سمجھ لیا کہ آپ کی نظریں دُھندلی ہیں۔ اور جس شخص کی نظر دُھندلی ہوتی ہے وہ دیوانہ ہوتا ہے۔"

منصور نے یہ جواب بہت پسند کیا اور اُس اعرابی کو پچاس ہزار درہم

دے کر رخصت کیا۔

---

(۸) حکایت۔ تین نصیحتیں

جب حجاج بن یوسف نے عبید بن یزید محاربی کو بصرہ اور اہواز کا والی مقرّر کیا تو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ "معاملات تین قسم کے ہوتے ہیں: اوّل وہ جو نادانی سے پیچیدہ ہوں۔ دوسرے وہ جو اقبال کی خرابی سے خراب ہوں اور تیسرے وہ جو حکومت وریاست کی منشا کے مطابق ہوں۔ اس لیے خیال رکھو کہ اگر کوئی معاملہ پیچیدہ ہو جائے تو عقل مندوں سے مشورہ کرو۔ بد قسمتی سے کوئی کام خراب ہو تو اس سے پریشان نہ ہو۔ اور جب حکومت کے مطابق کوئی معاملہ ہو تو خُدا کا شکر ادا کرو۔"

جب عبید بصرے پہنچا اور وہاں کے حالات کا جائزہ لیا تو اُس نے وہاں کے ذمّے دار اور سر برآوردہ لوگوں کو بُلایا اور اُن سے پوچھا کہ "تم میں سب سے زیادہ تجربے کار اور سمجھ دار شخص کون ہے؟"

لوگوں نے ایک بوڑھے کسان کی طرف اشارہ کیا۔ چناں چہ عبید نے ہر معاملے میں اُس کسان سے مشورہ لینا شروع کر دیا۔ کسان نے پُوچھا "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے ولایت کا کام کس لیے قبول کیا ہے؟ خدا کی رضا کے لیے یا حجّاج کی خوش نُودی کی غرض سے یا اپنی ذات کی خاطر؟"

عبید نے جواب دیا۔ "اصل میں تو یہ کام اپنی ذات ہی کی خاطر شروع کیا تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی خواہش تھی کہ خُدا کی رضا کو اپنی ذاتی غرض پر ترجیح دوں۔ نیز چوں کہ حجاج سخت آدمی ہے اس لیے یہ بھی نہیں چاہتا

کہ اس کے مزاج کے خلاف کوئی کام کروں۔"

کسان نے کہا "ان تینوں باتوں کو مشکل سے ایک جگہ جمع کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ میری نصیحت مانیں تو کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔"

عبید نے جواب دیا "میں تمھاری نصیحت ضرور مانوں گا۔ بوڑھے نے جواب دیا "تو سُنیے۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ کے احکام مختلف لوگوں کے حق میں مختلف نہ ہوں۔ یعنی ہر خاص و عام، امیر غریب اور چھوٹے بڑے کے لیے یکساں حکم ہونا چاہیے۔ تاکہ خدائے تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔ دوسرے دربان کو حکم دیجیے کہ ملازموں اور اہل کاروں کو تھوڑی دیر دروازے پر روکے رہیں پھر آہستگی سے آپ کی خدمت میں لائیں تاکہ اُن کے دلوں میں آپ کی ہیبت اور رعب پیدا ہو اور اس سے آپ کی غرض حاصل ہو سکے۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ کسی شخص کی طرف سے بھی کوئی ہدیہ یا تحفہ قبول نہ کریں تاکہ کوئی آپ پر کسی قسم کا الزام نہ لگا سکے۔ اور یہ حجاج کی ناراضگی کا سبب ہو۔"

عبید کہتا ہے کہ "میں نے ان تینوں نصیحتوں پر عمل کیا اور اُن کی وجہ سے مجھے بیسیوں مالی فائدے پہنچے۔"

---

(۹) حکایت ۔ انصاف کا بدلہ

نوح بن منصور نے جب خراسان پر قبضہ کیا تو حسبِ معمول رعایا کے حالات معلوم کرنے، ظالموں کو سزا دینے اور مظلوموں کی فریاد کو پہنچنے کی طرف پوری پوری توجہ کی۔ مُلک کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں اُس کے جاسوس اور

خبر نگار مقرر نہ ہوں۔ اور اُسے ذرا ذرا سی بات کی اطلاع نہ دیتے ہوں۔

ایک دن شکار میں گیا ہوا تھا۔ اتفاق سے اپنی سلطنت کی حدوُد سے دوُر نکل گیا اور ایک ایسی وادی میں آ پہنچا جہاں اس کی رعایا کے کچھ خاندان آباد ہو گئے تھے۔ اتفاق سے اس کے لشکر کے ایک سپاہی نے ایک گائے پکڑ کر ذبح کر لی۔ گائے کے مالک کو خبر ملی تو وہ نوح کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس زیادتی کا رونا رونے لگا۔ نوح نے اُس سپاہی کو پکڑوا بُلایا اور سخت سزا دینے کے بعد اس کا گھوڑا چھین کر گائے کے مالک کے حوالے کر دیا۔

ان باتوں کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ عمرو بن لیث نے نوح کے لشکر پر شبخون مارنا چاہا۔ اُن دنوں نوح اسی وادی کے قریب مقیم تھا۔ مگر اس کو اس شبخون کی خبر تک نہ تھی۔ حُسنِ اتفاق سے گائے کے مالک کو عمرو بن لیث کے ارادوں کا حال معلوم ہو گیا۔ چوں کہ اپنی گائے کے معاملے میں نوح کا انصاف دیکھ چکا تھا۔ سوچا کہ امیر نوح کی مہربانی کا شکریہ ادا کرنے کا یہی موقع ہے۔ چناں چہ اس نے لمبا اور عام راستہ چھوڑ کر ایک پگڈنڈی اختیار کی۔ بھاگا ہوا نوح کی خدمت میں پہنچا اور اسے شبخون کے متعلق خبر کر دی۔

یہ سُن کر نوح نے اپنی فوج کو گھات میں بٹھا دیا اور رات کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ جس وقت عمرو کی فوج شبخون کے ارادے سے وہاں پہنچی تو نوح کی فوج استقبال کے لیے تیار ملی۔ تھوڑی ہی دیر میں کشتوں کے پُشتے لگ گئے اور عمرو کو بھاگتے بنی۔

مظلوم کے حق میں ایک ذرا سے کرم نے نوح کو بہت بڑی مصیبت سے بچا لیا۔

۱۰۱ حکایت۔ خلیفہ مہدی اور ایک شتربان کی چالاکی

ایک دن خلیفہ مہدی سیر کرنے کی غرض سے عیسیٰ آباد گیا۔ اسے دیکھ کر دربانوں نے دوسرے لوگوں کو باہر نکال دیا۔ مہدی ٹہلتا ہوا ایک طرف جا نکلا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص وہاں چھپا ہوا ہے۔ مہدی کو دیکھ کر وہ شخص بے ہوش ہو گیا۔ امیر المومنین نے حکم دیا کہ پانی کے چھینٹے دے کر اسے ہوش میں لایا جائے۔

جب وہ ہوش میں آیا تو خلیفہ نے پوچھا "تو کون ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا "مجھے نہیں معلوم۔"

پوچھا "کوئی حاجت ہے؟"

جواب دیا "کوئی حاجت نہیں۔"

امیر المومنین نے کہا "تو خیریت سے گھر جاؤ۔"

وہ شخص چلا گیا تو خلیفہ آگے بڑھا۔ ایک جگہ دیکھا کہ ایک اور شخص بیٹھا ہوا باغ کے نظاروں سے دل بہلا رہا ہے۔ مہدی نے پوچھا "تو کون ہے؟"

اس نے جواب دیا "امیر المومنین کے غلام زادوں میں سے ہوں۔"

مہدی نے پوچھا "یہاں کیسے آیا؟"

جواب دیا "اس لیے کہ امیر المومنین کی دولت و نعمت سے لطف اٹھاؤں اس باغ میں جنت کا نمونہ دیکھ جاؤں، اور دعا کروں کہ آپ کے لیے اس جنت کی راحت اس جنت کی رحمت بن جائے۔"

مہدی نے پوچھا "کوئی حاجت ہو تو بیان کرو۔"

اس شخص نے جواب دیا "حاجت تو بہت بڑی ہے۔ مگر کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

امیرالمومنین نے کہا "کچھ تو کہو"۔

اس نے جواب دیا "امیرالمومنین، بات یہ ہے کہ میرے ایک ہمسایے کے پاس ایک بہت خوب صورت کنیز ہے اور مجھے اُس سے محبت ہوگئی ہے۔ میں غریب آدمی ہوں۔ اگر امیرالمومنین اتنی مہربانی فرمائیں کہ اُسے خرید کر مجھے بخش دیں تو میری تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

امیرالمومنین نے پوچھا "اُس کنیز کی قیمت کیا ہے"؟

اُس شخص نے جواب دیا "قیمت تو اس کے مالک سے پوچھی جا سکتی ہے یا کنیز کو بازار میں لے جا کر معلوم کیا جا سکتا ہے"۔ یہ سُن کر امیرالمومنین بہت ہنسا اور حکم دیا کہ اس شخص کو پچاس ہزار درم دے دیے جائیں۔

وہ شخص رقم لے کر خوش خوش اپنے گھر چلا گیا تو مہدی نے کہا "ذرا جا کر معلوم تو کرو۔ یہ شخص شتربان ہے یا نہیں"؟

ملازم تحقیق کر کے آئے تو معلوم ہوا کہ وہ شخص واقعی شتربان تھا۔ یہ سُن کر مہدی نے کہا "میرا خیال کیوں کر غلط ہو سکتا ہے۔ آخر میں عبداللہ بن عباس کی اولاد میں ہوں"۔

---

(۱۱) حکایت۔ مامون کا مدبرانہ سلوک

جب امیرالمومنین مامون نے طاہر ذوالیمینین کو علی بن عیسیٰ سے جنگ کرنے کے لیے بھجوایا اور اہلِ بغداد نے طاہر کی فوجی طاقت کا اندازہ کیا تو ڈر کر خفیہ طور پر مامون سے ساز باز کرنی چاہی۔ چناں چہ اس سلسلے میں بہت سے خط لکھے اور محمد الامین کے فوجی اور مالی راز ظاہر کر کے مامون کو اپنی وفاداری

کا یقین دلایا۔ مامون نے اس قسم کے تمام خطوط ایک صندوقچے میں بند کرکے مُہر لگاکر حفاظت سے رکھوا دیے۔

جب امین کو قتل کر دیا گیا اور مامون بغداد آکر خلافت کے فرائض انجام دینے لگا تو ایک روز اسے یہ صندوقچہ یاد آیا۔ نوکروں کو حکم دیا کہ فلاں صندوقچہ لاؤ۔"

صندوقچہ سامنے آیا تو اُس نے اپنے وزیر حسن بن سہل سے پوُچھا۔

"جانتے ہو اس صندوقچے میں کیا ہے"؟

اس نے جواب دیا "مجھے نہیں معلوم۔"

مامون نے کہا "اس میں اُن لوگوں کے خطوط ہیں جو میرے بھائی محمد الامین کے ٹکڑوں پر پلتے تھے۔ اور نمک حرامی کرکے مجھ سے ساز باز کرنا چاہتے تھے۔"

حسن بن سہل نے جواب دیا " امیرالمومنین ایسے لوگوں کو سزا دینی چاہیے۔ کیوں کہ جب انھوں نے اپنے آقا محمد الامین سے وفا نہ کی تو آپ اُن سے کیا اُمید رکھ سکتے ہیں"؟

یہ سُن کر مامون نے ہنستے ہوئے کہا "اگر میں ان کو سزا دوں تو یقین رکھو کہ دربارِ خلافت میں میرے تمھارے سوا کوئی نہ رہے گا۔ جتنے امیر اور مصاحب نظر آتے ہیں سب کے سب دشمنوں سے جا ملیں گے۔ اس سے بہت بڑا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا۔ ہم دونوں بھائی تھے اور دونوں خلافت کے مستحق۔ مگر یہ لوگ کیا جانتے تھے کہ کامیابی کس کو ہوگی۔ سب اپنی اپنی مصلحت کے مطابق کوشش کرکے ہماری نظروں میں عزت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جب خدائے تعالےٰ نے خلافت ہمیں بخش دی تو ہم کیوں کسی کو رنج پہنچائیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے حکم دیا کہ اس صندوقچے کو مع ان خطوط کے نذرِ آتش کر دیا جائے۔ کیوں کہ ایسا نہ ہو ہمارے بعد یہ خطوط کسی اور کے ہاتھ آئیں اور اُس کا دل اس جماعت سے بُرا ہو جائے۔"

---

(۱۲) حکایت ۔ مصر کی فتح اور عبداللہ بن طاہر

طاہر بن عبداللہ بیان کرتا ہے کہ مصر فتح کرنے کے بعد جب میرے والد نے مامون کی خدمت میں عرضی لکھی کہ مصر کی فتح پر اس قدر مالِ غنیمت وصول ہوا ہے۔ دارالخلافت میں منتقل کرنے کے لیے کیا حکم ہوتا ہے؟"

یہ عرضی مامون کو پہنچی تو اُس نے ارکانِ دولت سے مشورہ کیا کہ آیا اس مال کو بغداد منگوا لیا جائے یا مصر ہی میں رہنے دیا جائے۔"

حمید طوسی نے رائے دی کہ تمام مال یہاں منگوا لیا جائے۔ تاکہ فوج کی تنخواہ اور دوسری مُلکی ضروریات میں کام آئے۔"

مامون نے کہا "لیکن جس شخص نے مصیبتیں جھیل کر اور جان جوکھوں میں ڈال کر مصر کو فتح کیا ہے، اُس کو بھی تو کچھ انعام ملنا چاہیے۔"

حاضرین نے جواب دیا "امیرالمومنین کی رائے مبارک ہی اس کا فیصلہ کر سکتی ہے۔"

اس پر مامون نے حکم لکھوایا کہ "چوں کہ مصر فتح ہو چکا ہے اس کے بیت المال میں مال کی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے ہم نے تمام مال عبداللہ بن طاہر کو بخشا وہ جس طرح چاہے خرچ کرے۔"

اس حکم کے ساتھ ہی اخشید خادم کے ہاتھ عبداللہ کے لیے بہت

قیمتی خلعت بھی بھجوایا ۔ جب اخشید یہ حکم اور خلعت لیے ہوئے مصر پہنچا تو میرے والد بیمار تھے ۔ اس کے باوجود انھوں نے خلعت پہنا اور بولے ۔ " مال بہت زیادہ ہے اور امیر المومنین نے سب کا سب مجھے بخش دیا ہے ۔ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ امیر المومنین کے دوسرے خادم اس سے محروم رہیں "

چناں چہ انھوں نے اسی دن ایک ایک ہزار دینار شہر کے شرفا میں تقسیم کرا دیے تاکہ جن عمارتوں کو نقصان پہنچا ہے اُن کی مرمت کرا دی جائے ۔

---

(۱۳) حکایت ۔ مامون اور عمدہ باتوں کی قدر و قیمت

فضل بن مروان بیان کرتا ہے کہ امیر المومنین مامون کی خلافت کے زمانے میں مختلف مُلکوں کے سفیر دربارِ خلافت میں حاضر ہوتے رہتے اور اُن کی خاطر تواضع کا انتظام میرے دفتر کے ذمے ہوا کرتا ۔

ایک مرتبہ روُم اور حبش کے سفیر آئے تو میں نے روُمی ترجمان سے کہا " ذرا روُمی سفیر سے پوچھو کہ تمھارے بادشاہ کی سیرت کیسی ہے ؟"

روُمی سفیر نے جواب دیا " ہمارا بادشاہ مال و دولت سے نفرت اور لوگوں سے محبت کرتا ہے ۔ انعام و خلعت بے ضرورت بھی بخش دیتا ہے ۔ لیکن سزا صرف ضرورت کے وقت دیتا ہے ۔ لشکر اور رعایا اس سے اُمیدیں رکھتے ہیں اور خوف بھی کھاتے ہیں "

میں نے سوال کیا " احکام کا طریقہ کیا ہے ؟"

سفیر نے جواب دیا "مظلوموں کی فریاد فوراً سُنتا اور اُن کی داد رسی کرتا ہو اس لیے رعایا اس کی ذات پر بھروسا رکھتی اور قوت محسوس کرتی ہو"۔

بر ... نے پوچھا "اس کی ہیبت کا کیا عالم ہو"؟

رؤمی سفیر نے جواب دیا "ایسا کہ جس شخص کے دل میں اس کی طرف سے کوئی اندیشہ ہو، اس کے خواب و خور اور تسکین و قرار کا خُدا ہی حافظ ہو"۔

ہم ان باتوں میں مصروف تھے کہ اتنے میں سفیرِ حبشہ نے ترجمان سے پوچھا "یہ کیا باتیں کر رہے ہیں"؟

ترجمان نے ہماری باتیں دُہرائیں تو حبشہ کے سفیر نے کہا "ہمارے بادشاہ قدرت کے وقت معاف کرتے ہیں اور غصّے کے وقت بردباری سے کام لیتے ہیں۔ اُمید کے وقت پیاسوں کے حق میں میٹھا پانی بن جاتے ہیں۔ اور غصّے کے وقت گنہ گاروں کے لیے دہکتی آگ ثابت ہوتے ہیں۔ جب کوئی پسندیدہ خدمت انجام دیتا ہو تو بے شمار انعام دیتے ہیں۔ جب کوئی شخص بہت بڑا گناہ کرتا ہو تو سخت سزا سے کام لیتے ہیں۔ ان کو دو قسم کی جماعتوں سے کام پڑتا ہو۔ ایک اُمیدواروں کی جماعت اور دوسری خطاواروں کی۔ امیدوار ہمیشہ اپنی مُراد پاتے ہیں اور خطاوار ان کے عفو سے نا اُمید نہیں ہوتے"۔

میں نے سوال کیا "تمھارے بادشاہوں کی ہیبت کا کیا حال ہو"؟

حبشی سفیر نے جواب دیا "ہیبت کا یہ حال ہو کہ جب وہ سامنے آتے ہیں تو حاضرین کی نظریں زمین پر گڑ جاتی ہیں اور اِدھر اُدھر نہیں دیکھ سکتے۔

فضل بیان کرتا ہو کہ "میں نے یہ گفتگو امیرالمومنین کے سامنے دہرائی تو فرمایا "فضل تیری نظر میں ان باتوں کی قیمت کیا ہو"؟

مَیں نے عرض کی "دو ہزار دینار"

امیرالمومنین بولے "یا فضل! میرے نزدیک ان باتوں کی قیمت روئے زمین کی خلافت سے زیادہ ہے"۔

پھر فرمایا "ان دونوں سفیروں کو بیس ہزار دینار دلوا دو"۔

---

(۱۴) حکایت۔ خلیفہ مہدی اور تنبیہ کا انوکھا طریقہ

ابوالحسن محمد بن طلحہ الباہلی نے بچپن میں امیرالمومنین کی خدمت کی تھی۔ جب مہدی خلیفہ ہوا تو اس نے محمد بن طلحہ کے حقوق کا خیال رکھا۔ اُسے نہ صرف اپنے خاص مصاحبوں میں شامل کیا بلکہ انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ محمد بن طلحہ کے اس طرح دن پھرے تو طبیعت کی کمزوری رنگ لائی۔ امیرالمومنین کی خدمت میں کوتاہی ہونے لگی۔ رات دن شراب کا دَور چلنے لگا اور ہر وقت رنگ رلیاں منائی جانے لگیں۔ دوست احباب نے بہت سمجھایا۔ امیرالمومنین نے نصیحت کی۔ مگر محمد بن طلحہ پُرانی خدمات اور نئے انعامات کے نشے میں چوُر تھا۔ ایک نہ سُنی ؎

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترُشی اُتار دے

جب مہدی نے دیکھا کہ محمد بن طلحہ اپنوں پرایوں کی نصیحت سے سیدھا ہوتا نظر نہیں آتا تو مناسب سمجھا کہ اسے کسی طریقے سے کسی قدر سزا دی جائے۔ یہ سوچ کر اُس نے محمد بن طلحہ سے کہا "کوہستان کی طرف جاؤ اور کوہستان کے والی محمد بن خرونش سے مقررہ خراج اور اونٹ حاصل کر کے لاؤ"۔

یہ محمد بن خروش بڑا بہادر، سفاک اور تند مزاج تھا۔ جب محمد بن طلحہ اس کے پاس پہنچا اور بڑی سختی اور غرور سے خراج اور اونٹوں کا مطالبہ کیا تو اُس نے پوچھا "کوئی فرمان بھی لائے ہو یا یوں ہی مطالبہ کرنے چلے آئے؟"

محمد بن طلحہ نے کہا "فرمان لے کر آیا ہوں"۔

یہ کہہ کر فرمان نکالا اور محمد بن خروش کی طرف بڑھایا۔ محمد بن خروش فرمان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا اور فرمان کو بوسہ دے کر اُسے پڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد چند غلام آئے اور انھوں نے محمد بن طلحہ کو پکڑ لیا۔ محمد بن خروش نے حکم دیا کہ لکڑی سے دو سو ضربیں لگائی جائیں۔ اور سب کو اطلاع دے دی جائے کہ کوئی شخص اسے اپنے گھر نہ ٹھیرائے۔ اس کے لیے جنگل بہت مناسب جگہ ہے"۔

پھر محمد بن طلحہ سے مخاطب ہو کر بولا "امیرالمومنین نے تمھیں ایک ادنیٰ ہرکارے کی حیثیت سے بھیجا ہے۔ اور تم مجھ سے اکڑتے ہو۔ تمھاری یہ مجال کہ میرے ساتھ غرور سے پیش آؤ اور اکڑفوں دکھاؤ۔ تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے حوالے جو کام کیا گیا ہے یہ اُن لوگوں کے حوالے کیا جاتا ہے جن کو قتل کرانا منظور ہو۔ کیوں کہ یہاں کے پہاڑی لوگ پرلے درجے کے احمق، سرکش، اُجڈ اور بھولے ہوتے ہیں"۔

محمد بن طلحہ یہ سخت سُست باتیں سُن کر سر جھکائے مار پیٹ کا صدمہ اُٹھائے جنگل میں آ گیا اور وہیں ایک جگہ بسیرا کیا۔

دوسرے دن محمد بن خروش نے اونٹوں اور خراج کی رقم کا حساب لکھ کر اس کے حوالے کیا اور غلاموں کو حکم دیا کہ "دو سو ضربیں اور لگاؤ"۔

محمد بن طلحہ نے پوچھا "پہلے تو مجھ سے خطا ہوئی تھی اس لیے اُس کی

سزا ملی تھی۔ آج کس قصور میں پیٹا جاتا ہے؟"

محمد بن خروش نے جواب دیا "تمھاری ہر غلطی اور قصور پر سنو ضربیں لگائی جائیں گی۔ بے شک آج اس وقت تک تم نے کوئی قصور نہیں کیا مگر مجھے معلوم ہے کہ تم چاہے کتنی ہی کوشش کرو۔ دو تین خطائیں ضرور کروگے۔ اس لیے یہ ضربیں پیشگی لگائی جا رہی ہیں تاکہ اگر تمھاری خطائیں زیادہ ہوں تو ان ضربوں کو بھی حساب میں گن لیا جائے۔"

محمد بن طلحہ چوٹوں سے نڈھال بے کسی کی حالت میں امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی ساری بپتا کہہ سنائی۔ امیرالمومنین کو اس کے حال پر بہت ترس آیا اور اُس نے حکم لکھا کہ اس سے ایسا سلوک نہ کیا جائے۔

جب محمد بن طلحہ نے کوہستان سے خراج کا مال اور اونٹ حاصل کرلیے تو وہ محمد بن خروش کے پاس پہنچا۔ محمد بن خروش نے اُسے تین دن تک ملاقات کا موقع نہیں دیا اور غریب محمد بن طلحہ لاچاری اور کس مپرسی کی حالت میں جنگل میں بسیرا کرتا رہا۔ یہی نہیں بلکہ محمد بن خروش نے اپنے آدمی بھیج کر خراج کی جمع شدہ رقم میں سے تین لاکھ درم چھڑوالیے اور دوسرے دن اسے بلا کر بہت لعنت ملامت کرکے کہا "اگر امیرالمومنین کا یہ حکم نہ آتا کہ میں آیندہ تجھے نہ ستاؤں تو اسی وقت اپنے ہاتھ سے تیرا سر گردن سے جدا کردیتا۔ میں بڑا بدکردار دوزخی آدمی ہوں۔ اور ہزاروں گناہوں کا ارتکاب کرچکا ہوں لیکن صرف ایک بات کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ میں نے کبھی امیرالمومنین کی مرضی یا حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کیا ہے۔"

پھر خدمت گاروں کو مخاطب کرکے بولا "جاؤ تین لاکھ درم لے کر

اس شخص کے وصول کردہ مال میں شامل کردو۔ تاکہ رقم پوری ہو جائے کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ امیرالمومنین اسے ہرگز پسند نہ کریں گے کہ اُن کا مال اس طرح چوری ہو جائے اور ہم غریب لوگوں سے رقمیں وصول کرتے رہیں۔"

چناں چہ رقم وصول کرکے تمام خراج اور اونٹ مہدی کی خدمت میں بھجوا دیے۔

جب محمد بن طلحہ ان خرابیوں کے بعد دارالخلافت میں پہنچا تو اسے معلوم ہو چکا تھا کہ امیرالمومنین نے اس کی تنبیہ کی خاطر اسے کوہستان بھجوایا تھا۔ بہت شرمندہ ہوا اور اُس کی خدمت میں کئی سفارشیں پہنچائیں کہ خلیفہ کا دل اس کی طرف سے صاف ہو جائے۔ کام یابی ہونے پر جب وہ خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دست بوسی کے بعد عرض کی "امیرالمومنین! میں توبہ کرتا ہوں کہ اب کوئی حرکت ایسی نہ کروں گا جو امیرالمومنین کی رائے کے خلاف ہو۔"

اس پر مہدی نے مذاق کے طریقے سے دریافت کیا "محمد بن خروش کے اخلاق میں تم نے کون سی بات اچھی پائی؟"

محمد بن طلحہ نے جواب دیا "مجھے اُس کی یہ بات پسند آئی کہ میں دوزخی ہوں۔ مگر چوں کہ امیرالمومنین کی رائے کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا اس لیے نجات کی اُمید رکھتا ہوں۔"

مہدی نے کہا "اب وقت آگیا ہے کہ رعایا کو محمد بن خروش کے ظلم سے نجات دلائی جائے۔"

چناں چہ اس کی معزولی کا حکم صادر کیا اور محمد بن طلحہ کو دو لاکھ درہم انعام کے طور پر دیے۔

(۱۰۵) حکایت ۔ خلیفہ منصور اور چوری کی سراغ رسانی

ایک مرتبہ بغداد کے کسی صرّاف نے امیرالمومنین منصور کی خدمت میں عرضی بھجوائی کہ میں ایک غریب صرّاف ہوں۔ تھوڑی سی پونجی سے لین دین کیا کرتا تھا۔ کل وہ ساری پونجی ایک صندوقچے میں رکھ کر سویا تھا۔ صبح اُٹھ کر دیکھتا ہوں تو صندوقچہ غائب ہے۔ اب میں ایک ایک کوڑی کو محتاج ہوں۔ امیرالمومنین تحقیقات فرمائیں تو جینے کی صورت نکل سکتی ہے ورنہ میں مرمٹا۔

امیرالمومنین نے یہ عرضی پڑھ کر حکم دیا کہ خلوت کے وقت اس صرّاف کو حاضر کیا جائے۔ صرّاف حاضر ہوا تو منصور نے اُس سے سوال کیا "تیرے گھر میں کسی جگہ نقب کے نشانات موجود ہیں یا نہیں"؟

صرّاف بولا "اچھی طرح دیکھ چکا ہوں۔ کہیں نقب کا نشان نہیں ملا۔"

منصور نے پوچھا "تیرے گھر میں اور کون تیرے ساتھ رہتا ہے"؟

صرّاف نے جواب دیا "میری بیوی کے سوا کوئی نہیں رہتا۔"

منصور نے پوچھا "جوان ہے یا بوڑھی"؟

صرّاف نے جواب دیا "جوان"

منصور سمجھ گیا کہ صندوقچے کی چوری میں عورت کا ہاتھ ہے۔ کیوں کہ صرّاف بوڑھا اور بدصورت آدمی تھا۔ یہ سوچ کر بولا "گھبراؤ مت، تمھارا مال تمھیں مل جائے گا۔ ہم آج ہی تحقیقات کا حکم بھجواتے ہیں۔"

یہ کہہ کر ایک خادم کو آواز دی اور اُسے حکم دیا کہ فلاں عطر کی ایک شیشی لاکر صرّاف کو دے دی جائے۔ یہ عطر ایسا قیمتی اور نادر تھا کہ بغداد

بھر میں کسی کے پاس نہیں مل سکتا تھا۔ صرّاف عِطر لے کر چلا گیا تو منصور نے بغداد کے دروازوں اور محلّوں کے ناکوں پر پہرہ دینے والے سپاہیوں کو بُلا کر وہی عِطر سُنگھایا اور اُن کو سمجھایا کہ جس شخص کے کپڑوں میں ایسی خوش بُو پاؤ اُسے پکڑ کر ہماری خدمت میں لے آؤ۔

چند روز بعد چند سپاہی ایک جوان شخص کو پکڑ کر منصور کی خدمت میں لائے کہ اس کے لباس سے ویسی ہی خوش بُو آ رہی ہے۔

امیرالمومنین نے اُس شخص سے پُوچھا "یہ عطر تیرے پاس کہاں سے آیا؟"

اُس شخص سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ حیرت سے گُم سُم کھڑا رہا۔ امیرالمومنین نے فرمایا "اگر تو جان کی امان چاہتا ہے تو فلاں صرّاف کا صندوقچہ واپس کر دے۔"

اُس شخص نے جواب دیا "یا امیرالمومنین صندوقچہ میرے پاس کہاں سے آیا؟"

منصور نے جواب دیا "اُس صرّاف کی بیوی نے تجھے دیا ہے۔"

اُس شخص نے دیکھا کہ اب انکار سے کام نہ چلے گا۔ چناں چہ صندوقچہ لا کر پیش کر دیا اور توبہ کی۔ امیرالمومنین نے صرّاف کو بُلا کر اُس کا صندوقچہ اُس کے حوالے کیا اور اُسے سمجھایا کہ "اس عورت کو طلاق دے دے۔ کیوں کہ وہ تیرے لائق نہیں ہے۔"

---

(۱۶) حکایت۔ عبداللہ بن طاہر اور مظلوم عورت

امیر عبداللہ بن طاہر ایک روز دربارِ عام میں بیٹھا تھا کہ ایک عورت

فریاد کرائی۔ امیر نے پوچھا "تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟"

عورت نے جواب دیا "تیرے بھتیجے نے جو ہرات کا والی ہے۔"

امیر نے پوچھا "اُس نے تجھ پر کیا زیادتی کی؟"

عورت نے جواب دیا "میرے باپ دادا کا گھر مجھے میراث میں ملا تھا۔ تیرے بھتیجے نے نہ قیمت ادا کی نہ اجازت لی اور اُسے مسمار کرا دیا۔ کیوں کہ وہ اپنے محل کے سامنے ایک میدان بنانا چاہتا تھا۔ اور میرا گھر اس میدان میں حائل ہوتا تھا۔ اب آپ میری دادرسی فرمائیں۔"

امیر بولا "فکر نہ کر، میں جلد انصاف کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ اسی وقت سوار ہو کر بہت تیزی سے ہرات کی طرف روانہ ہو گیا۔ اپنے ایک مصاحب کو حکم دے گیا کہ اس عورت کو بڑے آرام و آسائش کے ساتھ اپنے ہمراہ لے کر ہرات پہنچو۔

امیر کے ہرات پہنچنے پر اس کا بھتیجا حاضرِ خدمت ہوا تو امیر نے اُس سے بات تک نہ کی اور سیدھا محلِ امارت میں چلا گیا۔ اتنے میں اس کا مصاحب اس مظلومہ کو ساتھ لیے آ پہنچا۔ اب امیر نے اپنے بھتیجے کو مخاطب کر کے کہا "تجھے میں نے یہاں کا والی کیا اس لیے مقرر کیا ہے کہ تو رعایا پر ظلم توڑے اور غریب مسلمانوں کے گھروں پر زبردستی قبضہ کر کے اُن کو تباہ کرے؟"

امیر کے بھتیجے نے جواب دیا "میں نے کوئی ظلم نہیں کیا۔ اس کے گھر کی قیمت لگا کر فلاں شخص کے ہاتھ بھجوا چکا ہوں تب اسے مسمار کرایا ہے۔"

امیر بولا "مگر جب یہ عورت اپنا مکان فروخت کرنے پر رضامند نہ تھی تو تیرا قیمت لگانا اور اُسے رقم بھجوانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ تیرا یہ عذر جرم سے بدتر ہے کیوں کہ تو ظلم کی تمیز نہیں رکھتا اور نہیں جانتا کہ پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے

کہ مسلمانوں کا مال مسلمانوں پر اس وقت تک حلال نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ اپنی رضامندی سے نہ دیں۔ اگر تیرا میدان تنگ تھا تو اس عورت کا اس میں کیا گناہ ہے؟ جب تک وہ اپنی مرضی سے تجھے اپنا مکان فروخت نہ کرتی۔ تجھے اس پر قبضہ کر کے اسے گرانے کا کوئی حق نہ تھا۔"

پھر اُس نے اپنے بھتیجے کو حکم دیا کہ "اس عورت کا مکان جس نمونے کا تھا اسی نمونے کا مکان بنا کر اس کے حوالے کرے"۔

ساتھ ہی نگرانی کے لیے اپنا اشرف مقرر کر دیا کہ مکان کی تعمیر میں کوئی خرابی نہ پیدا ہو۔"

جب مکان دوبارہ تعمیر ہو چکا تو امیر نے اُس عورت کو بہت بڑا انعام عطا کیا اور معافی مانگی۔ تب کہیں نیشاپور واپس ہوا۔

عبداللہ بن طاہر کا بھتیجا اس کے پیچھے پیچھے نیشاپور پہنچا۔ بہت سی سفارشیں پہنچائیں۔ تب جا کر امیر نے اس کا قصور معاف کیا۔ لیکن ساتھ ہی کہہ دیا کہ "آج کے بعد اگر کسی نے تیری شکایت کی تو اس کا فیصلہ اپنی زبان سے نہیں بلکہ تلوار کی زبان سے کروں گا۔"

---

(۱۷) حکایت۔ اسمٰعیل سامانی اور ایک کسان کے کھیت کا نقصان

امیر اسمٰعیل سامانی کی نیک عادتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ برف اور بارش کے دن میدان میں آ کھڑا ہوتا کہ اگر کسی مظلوم یا حاجت مند کو کچھ

کہنا سُننا ہو تو امیر تک پہنچنے میں دِقّت نہ ہو۔ اس کے بعد وہ غریبوں کو صدقہ دیتا اور محل میں پہنچ کر دو رکعت نماز ادا کرتا۔ اور خُدا کا شکر ادا کر کے کہتا کہ "الحمدللہ آج کا دن میں نے اپنی بساط کے مطابق رعایا کی خدمت کرنے میں بسر کر دیا۔"

ایک دن کسی نے اُس سے پوچھا "حضور، برف باری اور برسات کے دن لوگ باگ گھروں سے باہر نہیں نکلتے اور امیر ان دنوں میں میدان میں جا کھڑے ہوتے ہیں اور تکلیف اٹھاتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟"

امیر نے جواب دیا "اس کی وجہ یہ ہے کہ برف و باراں کے دنوں میں غریبوں اور مسکینوں کو تکلیف کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔"

ایک دن کا ذکر ہے کہ امیر برف اور بارش کے موسم میں مَرو کے کھیت میں گھوم رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک کھیت میں ایک اونٹ چر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر امیر نے غلام کو حکم دیا کہ "پیادہ ہو جا اور اونٹ کے پاس جا کر دیکھ کہ اس کے جسم پر کس کا نشان (داغ) بنا ہے؟"

غلام نے قریب جا کر دیکھا تو امیر کا نشان نظر آیا۔ اُس نے امیر کو اطلاع دی۔ امیر نے حکم دیا کہ "اونٹ کو پکڑ کر ادھر لے آ" دوسرے سوار سے کہا کہ وہ جا کر ساربان کو پکڑ لائے۔ خود گھوڑے سے اُتر پڑا اور ساربان کے انتظار میں وہیں کھڑا ہو گیا۔

سوار ساربان کی تلاش میں تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ساربان نظر آ گیا۔ وہ ایک اونٹ پر سوار امیر کے اونٹ کو آوازیں دیتا ہوا جنگل میں گھوم رہا تھا سوار اسے ساتھ لے کر امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر نے اس سے پوچھا "میرا اونٹ اس کھیت میں کیا کر رہا تھا؟"

ساربان نے جواب دیا۔ "یہ اونٹ رات کو بھاگ گیا تھا صبح ہونے پر

مجھے اطلاع ملی تو میں اونٹ پر چڑھ کر تلاش میں نکلا۔ اور اب تک اسی کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔"

امیر نے ساربان سے کہا " تیرا عذر معقول ہے"۔ اور سوار کو حکم دیا کہ "کھیت کے مالک کو بلاؤ"۔

جب وہ آیا تو امیر نے اس سے کہا " ہمارا اونٹ تیرے کھیت میں چلا گیا تھا۔ دیکھ کر بتا کہ کتنا نقصان کیا ہے؟" کسان نے نقصان کا اندازہ بتایا تو امیر نے اسی وقت غلے کا موجودہ بھاؤ دریافت کر کے اُسے نقد دام دے دیے۔ اور حاظرین سے مخاطب ہو کر بولا " اگر میں خود انصاف نہ کروں تو دوسرے مسلمانوں سے انصاف کی توقع کیوں کر کر سکتا ہوں"؟

---

(۱۸) حکایت۔ ہرچہ برخود نہ پسندی بدیگراں مپسند

امیر طمغاج خاں کا بیٹا شمس الملک بڑا انصاف پسند اور سمجھ دار امیر تھا۔ ماوراءالنہر کی ولایت اس کے قبضے میں تھی۔ ایک مرتبہ اس نے ارادہ کیا کہ جاڑوں کا موسم بخارا میں گزارے اور بہار تک وہیں قیام کرے۔ چناں چہ جب اس ارادے سے وہ سمرقند کے دروازے پر پہنچا اور چند روز کے لیے شہر کے باہر پڑاؤ ڈال دیا تو اس کے خاص حاجب نے جس کا نام الغ حاجب تھا، شمس الملک کی خدمت میں عرض کی کہ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہے اور سپاہیوں کو جنگل کے قیام کی وجہ سے طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا ہے۔ اگر حکم ہو تو سب لوگ شہر کے اندر چلے جائیں اور مختلف شہریوں کے مکانوں پر قیام کریں۔ بہت آرام پہنچے گا"۔

شمس الملک نے حکم دیا کہ "ایسا ہی کیا جائے"۔ چناں چہ حاجب خوش خوش چلا گیا۔

دوسرے دن شمس الملک نے اپنے ایک خاص غلام کو بلا کر کہا "بخارا میں النغ حاجب کا بہت بڑا محل ہے اور ہر طرح کے راحت و آرام کا سامان مہیا ہے۔ تم ساٹھ ترک سوار ساتھ لے کر فوراً روانہ ہو جاؤ۔ اور زبردستی اُس کے محل میں قیام کرو۔ کھانے پینے کی تمام چیزیں بھی اُسی کے ملازموں سے حاصل کرو اور اگر وہ انکار کریں تو سختی سے پیش آؤ۔"

غلام نے اس پر عمل کیا تو النغ حاجب کے نوکر فریاد لے کر اپنے آقا کے پاس آئے۔ وہ امیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ترک غلام اور اس کے سپاہیوں کی شکایت کی۔ امیر نے جواب دیا "غلام اور اس کے سپاہیوں کا کوئی قصور نہیں۔ یہ سب کچھ تیری ہی مرضی سے ہوا ہے۔ اگر حاجب لوگ سردی کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے گھروں میں رہنا پسند کرتے ہیں تو ترک غلام جنگل میں کیوں کر گزارہ کر سکتے ہیں۔ انھوں نے تیری ہی تجویز پر عمل کیا ہے۔ اس لیے تجھے پریشان ہونے کا حق نہیں ہے۔ اب تو یہ مصیبت جیسے تیسے برداشت کرنی پڑے گی تاکہ آیندہ کسی شخص کو ہمیں ایسی رائے دینے کی جرأت نہ ہو جس کا نتیجہ آخرت کے عذاب کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔"
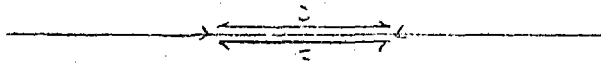
باب ہشتم

در لطائف کلماتِ ملوک و سلطنت

(۱) حکایت - بہ یک کرشمہ دو کار

امیر المومنین معتصم سے روایت ہے "کہ ایک دن میں اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میں بہت کم عمر تھا۔ مجھے دیکھ کر فرمایا "اِدھر آ میری گردن مَل دے"۔

میں گردن ملنے لگا۔ اتنے میں فضل بن ربیع اندر آیا۔ اُسے دیکھ کر والد نے کہا "فضل! میں اپنے بچّوں میں معتصم کو سب سے زیادہ پیار کرتا ہوں۔ کیوں کہ یہ بہت سمجھ دار ہے۔ چند دیہات تجویز کرو کہ اسے جاگیر دی جائے۔ مگر خیال رہے کہ یہ گانو ایسے ہوں جن میں شرکت کی گنجایش ہو"۔

فضل نے پوچھا "امیر المومنین! شرکت سے کیا مُراد ہے؟"

والد نے فرمایا "میری مُراد یہ ہے کہ گانو بہت بڑے ہوں تاکہ اسے بھی کچھ آمدنی ہو اور اُس کے مختار کو بھی۔ ورنہ اگر گانو چھوٹے ہوئے تو ان کی ساری آمدنی اس کا مختار اپنی جیب میں رکھ لیا کرے گا اور اس کے ہاتھ ایک کوڑی بھی نہ آئے گی"۔

ہارون الرشید نے اسی ایک فقرے کے استعمال سے نہ صرف

اپنے فرزند کی جاگیر کی تعیین کردی بلکہ وزیر کو خیانت اور بددیانتی سے روک بھی دیا۔

---

(۲) حکایت۔ خلیفہ منصور کا محل اور تین عیب

امیرالمومنین منصور نے لاکھوں رُپے کے خرچ سے ایک بڑا عالی شان محل تعمیر کرایا تھا۔ جب عمارت مکمّل ہوگئی تو اپنے تمام مصاحبوں اور امیروں کے ساتھ اسے دیکھنے کے لیے آیا۔ اس وقت روم کے سفیر بھی ساتھ تھے۔ منصور نے اُن سے پوُچھا "اس محل کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟"

ایک سفیر نے جو دوُسروں سے زیادہ بُزرگ تھا، جواب دیا "محل تو نہایت خوُب صوُرت اور عالی شان ہے۔ لیکن اس میں تین عیب ہیں۔"

منصور نے پوچھا "وہ عیب کون سے ہیں؟"

سفیر نے جواب دیا "ایک تو یہ کہ اس میں نہر نہیں ہے۔ اور زندگی کا حقیقی لُطف پانی ہی سے ہے۔ دوُسرے یہ کہ باغ اور سبزہ زار نہیں ہیں جو دل و دماغ کے لیے تازگی و فرحت کا باعث ہیں۔ تیسرے یہ کہ سوداگروں کی دُکانیں موجود ہیں۔ حالاں کہ عام رعایا سے سلطنت کے رازوں کا چھپانا ضرُوری ہے۔"

منصور نے جواب دیا "پانی کی پینے کے لیے ضرُورت ہوتی ہے۔ اور وہ ضرُورت کے مطابق موجود ہے۔ سبزہ اور باغ تفریح کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں سلطنت کے ضرُوری کاروبار میں مصرُوف ہونے کے سبب سے کھیل اور تفریح کی فرصت کہاں؟ رہا یہ کہ رعایا سے سلطنت کے رازوں

کو چھپایا جائے ۔ تو ہمارا ایسا کوئی راز ہی نہیں جسے ہم اپنی عزیز رعایا سے چھپائیں۔ ہمارا ظاہر و باطن رعایا کے ساتھ یکساں ہے۔"

سفیر یہ جواب سُن کر خاموش ہو گیا۔ بعد ازاں جب سفیر چلے گئے تو منصور نے حکم دیا کہ محل میں ایک نہر نکالی جائے ۔ باغ لگا دیے جائیں اور دُکان داروں کو یہاں سے اُٹھا دیا جائے ۔ کیوں کہ مَیں نے سفیروں کو حاضر جوابی سے خاموش کر دیا۔ اور اپنے دل کی بات بھی اُن کو نہیں بتائی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کا مشورہ معقول تھا۔"

چُناں چہ لاکھوں رُپے کے خرچ سے یہ تینوں عیب رفع کر دیے گئے ۔
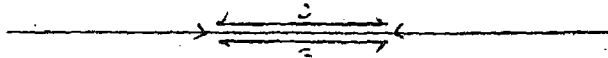
باب نہم

درباب سیاست بادشاہان

(۱) حکایت۔ حجاج کا انتخاب

جب حجاج بصرہ اور عراق کا امیر مقرر ہوا اور رعایا کے دل پر اس کی ہیبت اور سخت گیری کا سکہ بیٹھ گیا تو ایک دن اپنے مصاحبوں سے کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسے شخص کی تلاش ہے جو میری نیابت کے فرائض انجام دے سکے۔ مگر وہ شخص ایسا ہونا چاہیے کہ ہمیشہ ترش رو نظر آئے۔ کم گو ہو، امانت دار ہو، حلم سے کام نہ لے اور چاہے کوئی کیسا ہی بزرگ سفارش کرے، حق و انصاف کی راہ سے قدم نہ ہٹائے۔ کیوں کہ سفارش ماننے والے لوگ ریاست اور سیاست کے قابل نہیں ہوتے۔"

ایک مصاحب نے عرض کی "عبدالرحمٰن بن عمرو تمیمی میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔"

حجاج نے حکم دیا کہ "اسے بلواؤ۔"

جب وہ حاضر ہوا تو اسے نیابت قبول کرنے کے لیے کہا۔ اس نے جواب دیا "میں اس خدمت کے لیے اس صورت میں تیار ہو سکتا ہوں کہ اگر آپ کا فرزند بھی کوئی قصور کرے گا تو میں اسے سزا دیے بغیر نہ رہوں گا۔"

حجاج نے جواب دیا "خُدا تجھ پر رحمت کرے۔ تو اس خدمت کے لیے نہایت موزوں ہے۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنے فرزند کو بُلوایا اور اُس سے کہا کہ "اس شخص کی نیابت کے زمانے میں جو کوئی خطا کرے گا میں اُس سے بیزار ہوں۔"

---

(۲) حکایت۔ ایک معاملے میں دو بادشاہوں کا نقطۂ نظر

کچھ مدت پہلے پارس میں ایک بادشاہ گزرا ہے جس کا نام اتابک زنگی تھا۔ یہ بادشاہ بڑا منصف اور عادل تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیراز میں کوئی غریب شخص آیا اور بازارِ نخاسان میں بھیک مانگ کر گزر کرنے لگا۔ اس بازار میں کنیزیں بھی فروخت ہوا کرتی تھیں۔ ایک حسین وجمیل کنیز پر اُس کی نظر پڑی فریفتہ ہو گیا۔ مگر جیب میں پائی نہ تھی۔ سوچا کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ کنیز ہاتھ آجائے اور کچھ دینا نہ پڑے۔ یہ سوچ کر وہ سوداگر کے پاس آیا اور کنیز کی قیمت ٹھیرا کر اُس سے بولا کہ "میرے گھر چل کر قیمت لے لو۔"

گھر جا کر اُس نے کنیز کو آزاد کر کے نکاح پڑھوا لیا۔ اُس سے فارغ ہو کر سوداگر سے صاف صاف کہہ دیا کہ "میں ایک غریب اور مفلس آدمی ہوں۔ اس طریقے سے میں نے اپنی غرض پوری کی ہے۔ اگر مہربانی کرو اور کنیز کی قیمت معاف کر دو تو سبحان اللہ۔ اگر قیمت وصول کرنا چاہو تو عدالت کا دروازہ کھلا ہے۔ اور میں قید ہونے کے لیے تیار ہوں۔"

سوداگر اسے پکڑ کر قاضی کے پاس لے گیا۔ قاضی نے اُسے قید خانے بھیج دیا اور اس کی بیوی کو اس کے ساتھ رہنے کی اجازت دی۔ اتابک

کو اس معاملے کی اطلاع پہنچی تو اُس نے سوچا کہ اگر روک تھام نہ کی گئی تو یہ وبا عام ہو جائے گی۔ ہر ایک شخص مکاری سے کام لے گا اور مسلمانوں کو مالی نقصان پہنچے گا۔ اس لیے اُس نے حکم بھجوایا کہ اس شخص کو قتل کی سزا دی جائے۔

حکم کی تعمیل کی گئی اور کئی روز تک اس کی لاش راستے میں پڑی رہی۔

مولف کتاب کہتا ہے کہ اتابک نے جو کچھ کیا سزا دہی کے طور پر کیا لیکن سلطان کریم قطب الدین نے ایک ایسے ہی معاملے میں دوسرا طریقہ اختیار کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ مرحوم و مغفور کے زمانے میں شرف نامی ایک غریب مگر عالم شخص تھا۔ اس داعی نے اسے دیکھا ہے۔ اُس نے بھی یہی مکر کیا اور ایسے ہی دھوکے سے کنیز خرید کر جیل چلا گیا۔ سوداگر نے بادشاہ کو عرضی لکھی اور تمام واقعے سے اطلاع دی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کنیز کی قیمت خزانے سے ادا کر کے اس عالم کو رہا کر دیا جائے۔ ساتھ ہی سزا کے طور پر فرمایا کہ وہ عالم شاہی باورچی خانے میں ایک سال تک بہشتی کا کام کرے۔ چناں چہ عالم نے مشک سنبھالی اور باورچی خانے میں پانی بھرنے لگا۔ ابھی عالم کو پانی بھرتے ایک ہی ہفتہ گزرا تھا کہ بادشاہ کی نظر پڑ گئی۔ اُسی وقت اُس کی سزا معاف کر دی۔ ساتھ ہی قیمتی خلعت عنایت فرمایا۔ فقیہ کے دن پھرے اور وہ شاہی توجہ کی بدولت آرام سے زندگی بسر کرنے لگا۔

---

(۳) حکایت۔ گربہ کشتن روزِ اوّل

جب حجاج کوفے میں آیا تو پہلے دن شہر میں اس حالت سے داخل

ہوا کہ منہ پر نقاب اور سر پر عربی خطیبوں کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ حجاج نہایت بدصورت شخص تھا۔ جب منبر پر پہنچا اور مخلوق نے اُسے اس ہیئت میں دیکھا تو چاروں طرف نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ حاضرین چہ می گوئیاں کرنے لگے کہ "بدصورتی کے لحاظ سے ساری دُنیا میں اس والی کا جواب نہ ہوگا۔"
قریب تھا کہ فتنہ فساد کی آگ بھڑک اُٹھے اتنے میں حجاج نے نہایت فصاحت کے ساتھ خطبہ شروع کر دیا اور حمد کے بعد ریاست اور سیاست کے مسئلے پر ایسی دل نشین تقریر کی کہ حاضرین حیران رہ گئے۔ تقریر کے دوران میں اُس نے یہ بھی کہا کہ "اے لوگو! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ خدائے تعالےٰ ہر قوم کے حالات کے مطابق اس کا والی بھجواتا ہے۔ اگر تم اطاعت شعاری سے کام لوگے تو آرام سے رہوگے۔ اور اگر تمھارے دماغوں میں مخالفت کی ہوا بھری رہے گی تو میرے عذاب سے نہ چھوٹو گے۔"

یہ کہہ کر اُس نے قتل کا حکم دیا۔ مسجد میں خون بہنے لگا۔ حاضرین دہشت زدہ ہوکر بھاگے اور فتنہ و فساد کے تمام ارادے خاک میں مل گئے۔
پہلے دن کی اس سزا کا یہ نتیجہ نکلا کہ کوفے والے تکلے کی طرح سیدھے ہو گئے۔ اور بغاوت و سرکشی کا شعلہ بھڑکنے سے پہلے بجھ گیا۔

---

(۴) حکایت۔ محمود غزنوی اور ملازموں کے خانگی جھگڑے

نوشتگین والواجی، سلطان محمود کا حاجب اور التونتاش خوارزم شاہ کا داماد تھا۔ ایک رات مستی کے عالم میں گھر پہنچا۔ کسی بات پر بیوی سے جھگڑا

ہوگیا۔ اور اُس نے غصے میں تین ٹکے جڑ دیے۔ بیوی التونتاش جیسے بڑے باپ کی بیٹی تھی۔ بہت خفا ہوئی مگر خاموش رہی۔

دوسرے دن سُلطان کو خبر ہوئی۔ اور جب حاجب لوگ (جن میں نوشتگین والوالجی بھی تھا) اپنی اپنی جگہ آکر کھڑے ہو گئے تو اُس نے امیر حاجب کو پاس بُلایا اور نوشتگین کی طرف اشارہ کر کے کہا "اس "گدا" نے رات بہت احمقانہ حرکت کی۔ بیوی سے جھگڑا اور اس کے تین گھونسے لگائے۔ اگر ایسی باتوں کا انتظام نہ کیا گیا تو دوسرے ملازم بھی گستاخ ہو جائیں گے۔ پھر یہ بھی ممکن ہو کہ یہ خبر التونتاش کو پہنچے اور وہ خفا ہو جائے۔ اور اس طرح سلطنت میں فتنہ اُٹھ کھڑا ہو اس لیے تم اسے حاجب خانے میں لے جاؤ اور اس سے کہو کہ "تیری بھی یہ مجال ہوئی کہ تو ہماری اجازت کے بغیر اپنی بیوی کو پیٹے"۔ پھر اسے ٹکٹکی سے باندھ کر ایک ہزار تازیانے لگاؤ۔ اور اس میں مطلقاً رعایت نہ کرو۔ چاہے وہ اسی حالت میں مرجائے۔ دوسروں کو تو نصیحت ہو گی"۔

حاجبوں کے سردار نے شاہی حُکم کی تعمیل کی۔ تازیانوں کی سزا کا نتیجہ یہ نکلا کہ نوشتگین زخموں کی وجہ سے مدّت تک بستر پر پڑا رہا۔ اس دوران میں اس کے خُسر التونتاش نے محمود کے نام دو مرتبہ سفارشی خط لکھے، تب کہیں ایک سال کے بعد باہر آنے کی اجازت ملی، اور اس کا قصور معاف ہوا۔

---

(۵) حکایت۔ محمود غزنوی کا بھائی پر عتاب

سُلطان محمود کا چہیتا بھائی امیر نصر، جو خراسان کا امیر تھا، سلطان کے پاس ٹھیرا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ زین خانے سے ایک جڑاؤ لگام چوری گئی۔

چور ایک ہندو رکاب بردار تھا۔

چوری پکڑی گئی تو امیر نصر نے حکم دیا کہ "اسے ٹکٹکی سے باندھ کر بیس کوڑے لگائے جائیں"۔

پرچہ نویسوں نے سلطان کی خدمت میں پرچہ لگایا۔ سلطان نے پڑھا تو بہت رنج ہوا۔ رنج نے غصّے کی صورت اختیار کرلی۔ اسی عالم میں نقارچیوں کو بلوا کر حکم دیا کہ "امیر نصر کے دروازے پر جاکر نوبت بجائیں۔ کیوں کہ اُسے امارت کا دعویٰ ہے"۔ نقارچیوں نے حکم کی تعمیل کی اور امیر نصر کے دروازے پر جاکر نوبت بجانے لگے۔ قاعدہ ہے کہ نوبت صرف بادشاہِ وقت کے دروازے پر بجائی جاتی ہے۔

امیر نصر نے اپنے دروازے پر یہ رنگ دیکھا تو بہت حیران ہوا اور نقارچیوں کو روکا۔ پھر بھاگا ہوا سلطان کی خدمت میں پہنچا اور زمین پہ سر جھکا کر ادب سے بولا "ہر چند کہ رشتے کے لحاظ سے بھائی ہوں لیکن بندگی کے اعتبار سے دوسرے غلاموں سے کم تر ہوں۔ اپنی ناراضگی اور میری خطا سے مجھے مطلع فرمایا جائے"۔

سلطان نے جواب دیا "اگر تم اپنی جاگیر میں ہوتے اور کسی شخص کو ایک چھڑی سے بھی چھو لیتے تو ہمارا دل رنجیدہ ہوتا۔ چہ جائے کہ ہماری موجودگی میں غلاموں کو تازیانوں سے پٹواتے ہو اور ہماری ناراضگی کی پروا نہیں کرتے معلوم ہوا کہ تمھیں بادشاہی کا دعویٰ ہے اور وہ بھی قولاً نہیں بلکہ فعلاً۔ لہٰذا اگر تمھیں بادشاہی کا دعویٰ ہے تو نوبت کو تمھارے ہی دروازے پر بجنا چاہیے"۔

یہ بات سُن کر امیر نصر بہت شرمندہ ہوا۔ عرض کی "مجھ سے گناہ

ہوا۔ آیندہ ایسا نہ ہوگا۔"
معافی مانگنے کے باوجود امیر نصر کو ایک ماہ تک حاضری کی اجازت نہ ملی۔ اور شاید یہ سلسلہ ابھی جاری رہتا اگر سُلطان کا وزیر خواجہ احمد بن حسن میمندی سفارش کرکے بادشاہ کا غصّہ دُور نہ کرتا۔

---

(۶) حکایت۔ ہارون الرشید کی بے تکلّفی

ہارون الرشید جب خلوت میں ہوتا تو فضل بن یحییٰ سے بہت بے تکلفی سے مذاق کیا کرتا اور وہ بھی گستاخانہ جواب دیا کرتا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ فضل وقت پر نہ آیا، خلیفہ اپنے مصاحبوں میں بیٹھا ہوا حماد سے باتیں کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فضل آپہنچا۔ ہارون الرشید نے اسے دیکھتے ہی معمول کے مطابق ہنسی مذاق شروع کر دیا فضل بھی برابر والوں کی طرح ترکی بہ ترکی جواب دینے لگا۔ یہ رنگ دیکھ کر حماد اچھل کر کھڑا ہوگیا اور تلوار سونت کر فضل کی طرف لپکا۔ ہارون الرشید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "کیا کرتے ہو؟ میں اپنا خالی وقت اپنے مصاحبوں میں اس انداز سے گزارتا ہوں کہ گویا میں بھی انھی میں سے ایک ہوں۔"
حماد نے جواب دیا "نامناسب ہے اگر آپ اسے مناسب سمجھتے ہیں تو مجھے نہ بُلایا کیجیے۔ کیوں کہ میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ کوئی آپ کی برابری کرے یا گستاخی سے باتیں کرے۔ کیوں کہ ان چیزوں سے ریاست اور سیاست میں خلل پڑتا ہے۔"

---

(۷) حکایت ۔ بابک خرمی اور اس کے بھائی کا قتل

ابوسفاح بیان کرتا ہے کہ "جب بابک خرمی کو گرفتار کیا گیا تو میں اور چند دوسرے لوگ اس کے نگراں تھے ۔ ہم نے اسے سمجھا دیا تھا کہ جب تجھے خلیفہ کے سامنے لے جایا جائے اور وہ تجھ سے سوال کرے کہ کیا تیرا ہی نام بابک ہے" تو تو جواب میں کہنا کہ "بے شک میں بڑا گنہ گار اور بدکردار ہوں ۔ لیکن ساتھ ہی امیرالمومنین سے معافی کا امیدوار ہوں ۔ امید ہے کہ امیرالمومنین ان تمام خطاؤں کو جو مجھ سے سرزد ہوئی ہیں بخش دیں گے "۔ دوسری طرف لوگوں نے امیرالمومنین معتصم کے کان بھرے کہ " افشین بابک کی سفارش کرے گا ، خیال رکھیے "۔

امیرالمومنین نے چاہا کہ افشین کو آزمائے ۔ اس سے سوال کیا کہ " بابک کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے ؟ بڑا عقل مند اور بہادر شخص ہے ۔ جنگی استعداد اور فوجی قابلیت میں اپنا جواب نہیں رکھتا ۔ اگر اس کی جان بخشی کر دی جائے تو شاید ہمارے کام آئے "۔

افشین نے جواب دیا " یا امیرالمومنین ! جس کافر نے ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا ہو ، اسے کیوں زندہ رکھا جائے ؟ "

یہ جواب سن کر معتصم سمجھ گیا کہ افشین کے متعلق اسے غلط اطلاع دی گئی ہے ۔ قصہ مختصر جب بابک اس کے سامنے پا بہ زنجیر لایا گیا تو اس نے دریافت کیا " بابک تیرا ہی نام ہے ؟ "

بابک نے جواب دیا " ہاں " اور خاموش ہو رہا ۔ ہم نے آنکھوں آنکھوں میں اسے ہر چند اشارے کیے کہ جو کچھ ہم نے سکھایا پڑھایا ہے وہ دہرائے مگر اس نے ایک حرف نہ کہا ۔ آخر معتصم نے حکم دیا کہ پہلے اس کے چاروں

ہاتھ پانو کاٹے جائیں اور بعد ازاں گردن ماری جائے۔

سزا کے حکم کی تعمیل کی گئی لیکن اُس کی زبان سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔ نہ تو اُس نے مُنھ بنایا اور نہ چہرے کا رنگ اُڑا۔ بڑے سکون سے یہ تکلیفیں برداشت کیں۔ یہاں تک کہ گردن اُڑا دی گئی۔

راوی کہتا ہے کہ "اُس کے قتل کے بعد مجھے حکم ملا کہ میں اس کے بھائی کو بغداد لے جاؤں اور بغداد کے پُل پر لے جاکر اسی طرح قتل کر دوں۔ چلتے وقت میں نے دریافت کیا کہ "یا امیر المومنین! اگر اسحٰق مجھے کوئی چیز دینا چاہے تو میں قبول کروں یا نہیں"؟ فرمایا "تمھیں اختیار ہے"۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ میرے اخراجات کے لیے مجھے پچاس ہزار درم دے دیے جائیں۔

الغرض جب میں اسے لے کر بغداد پہنچا اور پُل پر لے جاکر اُس کے ہاتھ پانو کٹوا چکا تو مجھ سے بولا "فلاں کسان کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ اس حالت میں بھی تم مجھے یاد آئے"۔

ان تکلیفوں کے باوجود، وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ چہرے سے مطلقاً ظاہر نہ ہوتا تھا کہ اس کے ہاتھ پانو کاٹ دیے گئے ہیں۔ جب واپس جاکر میں نے معتصم کو یہ واقعہ سُنایا تو وہ اس کے قتل پر پشیمان ہوا اور بولا "ہم نے بڑے مرد آدمی کو قتل کرا دیا۔ دنیا اس حوصلے اور ہمت کے بہادر روزانہ نہیں پیدا کرتی"۔

---

(۸) حکایت۔ دُشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد

جب ابوالعباس سفاح خلیفہ ہوا تو اس نے سلیمان بن ہشام اور اس کے

فرزندوں کو اپنا خاص مصاحب بنایا۔ یہ لوگ بنی امیہ میں سے تھے۔ چوں کہ ابوالعباس کی بے کاری کے زمانے میں اس کی بہت خدمت کر چکے تھے۔ ابوالعباس نے بھی اُن کی خدمت کا صِلہ دینے اور عزّت افزائی کرنے میں ذرّہ بھر کوتاہی نہیں کی۔ یہاں تک کہ جب سلیمان اور اس کے لڑکے دربارِ خلافت میں حاضر ہوتے تو اُن کے لیے بھی مسند اور تکیے لاکر لگا دیے جاتے۔

ایک دن ابوالعباس اور اُس کے قریب ہی سلیمان اور اس کے فرزند اسی ٹھاٹھ سے بیٹھے تھے کہ حاجب نمودار ہوا اور عرض کی کہ "ایک اعرابی دُور سے چل کر آیا ہے اور امیرالمومنین کا نیاز حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

امیرالمومنین نے پُوچھا "اس کا نام بھی دریافت کیا ؟"

حاجب نے جواب دیا "جی ہاں، کہتا ہے کہ "مولائی امیرالمومنین سدتف میرا نام ہے۔"

امیرالمومنین نے مُسکراتے ہوئے کہا "میں جانتا ہوں۔ سدتف ہوگا۔ اندر بُلاؤ۔"

اعرابی نے اندر آکر سلام کیا اور اس کے بعد خلیفہ کی شان میں ایک معرکے کا قصیدہ سُنایا۔ بعض اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "سلیمان اور اس کے فرزند بنی امیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور بنی امیہ آپ کے خاندان کے دشمن ہیں۔ آپ کو اپنے دوستوں اور دُشمنوں میں فرق کرنا چاہیے۔ یہ عنایتیں جو آپ اپنے دشمنوں کے حال پر فرما رہے ہیں۔ میرے اور آپ کے دُوسرے مخلصوں کے نزدیک مناسب نہیں۔ آپ کو چاہیے کہ اپنے دشمنوں کو دربار سے دُور اور مجھ غریب نیاز مند کو انعام واکرام سے مسرور فرمائیں۔"

ابوالعباس کو یہ قصیدہ بہت پسند آیا۔ اُس نے اعرابی کو ایک ہزار

دینار انعام میں دیے اور کہا "فی الحال اپنی غریبی کا علاج توکرو۔ باقی معاملات پھر درست ہوتے رہیں گے"۔ خلیفہ کی زبان سے یہ فقرہ سُن کر سلیمان اور اُس کے فرزند دربار سے چلے گئے۔

ابوالعباس نے مغرب کی نماز سے فارغ ہوکر ابوجہنم کو حکم دیا کہ "تینوں باپ بیٹوں کو قتل کر دیا جائے"۔

جب سلیمان نے ابوجہنم کی شکل دیکھی تو سمجھ گیا کہ اس کے آنے کا کیا مقصد ہے؟ بولا "ہمارا قتل یقینی ہے۔ مگر اتنی مہربانی کروکہ میرے بچّوں کو میرے سامنے قتل کرو تاکہ مجھے اُن کی مصیبتوں کا ثواب حاصل ہوسکے"۔

ابوجہنم نے ایسا ہی کیا۔ پہلے اُس کے بچّوں کو قتل کیا۔ بعدازاں اسے ٹھکانے لگایا۔

---

(۹) حکایت۔ محبّت اور مصلحت کی کشمکش

عضدالدولہ کے لیے چین سے ایک کنیز لائی گئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ عضدالدولہ ایک لمحے کے لیے اُس سے جُدا ہونا پسند نہ کرتا۔ یا تو یہ حالت تھی کہ سلطنت کے مختلف حصّوں سے صدہا عرضیاں اور مراسلے روزانہ موصول ہوتے تھے اور وہ اُسی روز ان سب کا جواب لکھوا دیتا تھا۔ اور ہر ایک پر اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا تھا۔ یا یہ عالم ہوا کہ دفتر کے دفتر جمع ہونے لگے مگر بادشاہ کو کنیز کے سوا کسی چیز کی سُدھ بُدھ نہ رہی، نہ کسی عرضی کا جواب، نہ دستخط، نہ دربار، نہ امورِ سلطنت، تمام کاروبار کی طرف سے آنکھ بند کرلی ؎

دُنیا کا فکر، دین کی باتیں، خُدا کی یاد سب کچھ بُھلا دیا ترے دو دن کے پیار نے"

جب بادشاہ کی غفلت حد سے گزر گئی تو لوگوں میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔ بادشاہ کو بھی احساس ہوا کہ یہ ساری خرابیاں اس کنیز کے سبب سے پیدا ہوئی ہیں۔ ایک دن غصّہ آیا تو حرم سرا کے محافظِ خاص شکر کو حکم دیا کہ "اس کو لے جاؤ اور دجلے میں پھینک آؤ!"

شکر نے سوچا کہ بادشاہ نے غصّے میں ایسا حکم دیا ہے۔ کل ضرور پچھتائے گا اور جب کنیز کو زندہ نہ پائے گا تو میری جان کی خیر نہیں۔ مناسب یہی ہے کہ اسے دریا میں نہ پھینکوں بلکہ کسی مکان میں لے جاکر چھپا دوں"۔

یہ سوچ کر اس نے کنیز کو ایک علیحدہ مکان میں لے جاکر چھپا دیا اور دوسرے دن امیر کی خدمت میں عرض کر دی کہ "حضور کے حکم کے مطابق اسے دریا میں پھینک آیا ہوں"۔ چند روز گزرنے پر عضد الدولہ کو کنیز کی یاد ستانے لگی۔ اپنے کیے پر پچھتاتا اور بے چین ہو کر چلّاتا کہ "یہ میں نے کیا کیا؟ اپنے پاؤں پر آپ کلھاڑی مارلی"۔

ایک دن اپنے مصاحبوں کے ساتھ مجلسِ عیش میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں شکر اُدھر آنکلا۔ اس پر نظر پڑتی تھی کہ دل کے زخم ہرے ہوئے۔ چینی کنیز کی یاد دل میں چٹکیاں لینے لگی۔ غم و غصّے سے بے قابو ہو کر بولا "کیوں او بدبخت! سنگ دل! تو نے کس دل سے اس نازنین کو پانی کی راہ مٹّی میں ملا دیا"۔

یہ کہہ کر غلاموں کو حکم دیا کہ "اسے بھی لے جاکر دجلے میں پھینک دو۔ تاکہ آئندہ مجھے اس کی منحوس صورت نظر نہ آئے۔ کیوں کہ جب بھی اس پر نظر پڑتی ہے مجھے میری محبوبہ یاد آجاتی ہے اور دل کے گھاؤ ہرے ہو جاتے ہیں"۔

حکم ملتے ہی غلاموں نے شکر کو آگھیرا۔ اور ع

پا بدستِ دگرے، دست بدستِ دگرے

گھسیٹ کر باہر لے جانا چاہا۔

جب شکر نے دیکھا کہ اب جان کی خیر نظر نہیں آتی۔ دو قدم باہر کی طرف اور بڑھے تو کوئی غلام اس کی بات نہ مانے گا۔ چلاّ کر بولا "حضور جان کی امان پاؤں تو مُردہ کنیز کو زندگی کی حالت میں سامنے لے آؤں۔ بات یہ ہے کہ مجھے آج کے دن کا پہلے سے اندیشہ تھا۔ اس لیے میں نے اُسے دجلے میں نہیں پھینکا۔ کیوں کہ زندہ کو ہر وقت مُردہ کیا جاسکتا ہے لیکن مُردے کو زندہ کرنا قطعی ناممکن ہے۔"

عضدالدولہ نے اُسی وقت کنیز کی حاضری کا حکم دیا اور وہ سامنے کیا آئی کہ بادشاہ کو عید نظر آئی۔ خوشی سے بے خود ہوکر شکر کو خلعت اور دولت سے مالامال کردیا۔ اور اب پھر نئے سر سے اس کی زندگی رنگ رلیوں میں گزرنے لگی ؎

ہر روز، روزِ عید ہے، ہر شب، شبِ برات!

کچھ عرصے تک یہی رنگ رہا، اور پہلے کی طرح پھر حکومت کے کاموں میں ہرج ہونے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عضدالدولہ نے دوبارہ چینی کنیز کو شکر کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ "اسے غرق کرآؤ۔"

شکر نے اس مرتبہ بھی پہلی سی احتیاط برتی اور کنیز کو غرق کرنے کی بجائے کہیں چھپا دیا۔ ایسا کرنا اس کے حق میں اچھا ہوا۔ کیوں کہ چند ہی روز بعد پھر بادشاہ کو کنیز یاد آئی اور شکر کو حاضر کرنی پڑی۔ اور کچھ عرصے کے لیے پھر عضدالدولہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگیا اور پہلے کی طرح پھر سلطنت کے کاموں میں خلل واقع ہونے لگا۔

ایک دن عضدالدولہ ایک ایسے بالاخانے پر بیٹھا ہوا تھا جس کے

نیچے دجلہ بہتا تھا۔ چینی کنیز ادب سے سامنے کھڑی تھی۔ بادشاہ نے اُس سے کہا "اِدھر آ، اُس کشتی کو دیکھ"!

کنیز آگے بڑھ کر دروازے کے قریب آئی اور دریا کی طرف دیکھنے لگی۔ یکایک عضدالدولہ نے اُسے اُٹھاکر دریا میں پھینک دیا اور جب دیکھا کہ وہ مر چکی ہے تو غلاموں کو حکم دیا کہ "اسے نکال لاؤ"۔ اور لوگوں پر ایسا ظاہر کیا جیسے کنیز خود دریا میں گر پڑی ہے۔ چُناں چہ کئی دن تک اُس نے کنیز کا سوگ منایا۔ اور اُس کی یاد میں بے تاب رہا۔

---

(۱۰) حکایت۔ "گاہے بہ سلامے برنجند و......"

امیرالمومنین معتصم کا بوڑھا وزیر ہروان بہت تجربے کار اور جہاں دیدہ شخص تھا۔ اس کے باوجود جب وہ دربارِ خلافت میں حاضر ہوتا تو خلیفہ کی دہشت اور ہیبت سے اُس پر کپکپی طاری ہو جاتی۔ جب تک وہاں بیٹھا رہتا ایسا معلوم ہوتا جیسے بوڑھے وزیر کو اب پھانسی ملنے والی ہے۔

ایک دن اُس کے بیٹے نے اُس سے سوال کیا کہ "ہمارا خلیفہ تو بڑا نیک، منصف اور رحم دل شخص ہے۔ پھر آپ اُس سے اتنا کیوں ڈرتے ہیں"؟

باپ نے جواب دیا "بیٹا! تم سچ کہتے ہو کہ میں خلیفہ سے بہت ڈرتا ہوں۔ اتنا کہ جب اس کے پاس جاتا ہوں تو یہ سوچ کر جاتا ہوں کہ اب زندہ واپس نہ آؤں گا۔ اس کا سبب میں تمھیں ایک حکایت کے ذریعے سے بتاؤں گا۔ سُنو! وہ حکایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک باز میں

اور گھر کے پلے ہوئے مُرغ میں بحث ہوگئی۔ باز نے کہا "تو بڑا بے وفا پرند ہو کہ آدمی تیرے دانے پانی کا انتظام کرتا ہو۔ تیرے آرام کے لیے دڑبا بناتا ہو۔ بلّی سے بچاتا ہو۔ الغرض سو سو طرح خاطر و مدارات کرتا ہو۔ مگر تو، ہو کہ اس سلوک کے باوجود اُس سے دُور دُور رہتا ہو۔ اور جب کبھی وہ تجھ کو پکڑنا چاہتا ہو تو اِدھر سے اُدھر اور یہاں سے وہاں بھاگا پھرتا ہو اور ہاتھ نہیں آتا۔ مجھے دیکھ بالکل وحشی اور جنگلی پرندہ ہوں لیکن چند ہی روز میں اُن سے اتنا مانوس ہو جاتا ہوں کہ گویا میری سات پشتوں نے اپنی عمریں انھی کے گھروں میں تیر کی ہیں۔ شکار کے لیے مجھے بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہو اور میرے بس میں ہوتا ہو کہ میں واپس آؤں یا نہ آؤں۔ مگر میں پھر بھی لوٹ کر انھی کے پاس آجاتا ہوں"۔

مُرغ نے جواب دیا "تم سچ کہتے ہو کہ تم نے دس دس اور بیس بیس بازوں کو کبابوں کی سیخوں میں چھدے ہوئے نہیں دیکھا ہو۔ اور میں نے سیکڑوں پالتو، مُرغوں کی گردن پر چھُری پھرتے دیکھا ہو۔ اگر تو اپنے کسی بھائی کو ذبح ہوتے دیکھ لیتا تو کبھی آدم ذات کی وفاداری کا دم نہ بھرتا"۔ تو بیٹا بات یہ ہو کہ بادشاہوں سے وہی لوگ بے خطر ہیں جو اُن کی سزاؤں سے بے خبر ہیں۔ لیکن میں اُن سے اچھی طرح واقف ہوں اور اسی لیے ہر وقت خائف ہوں"۔

---

(۱۱) حکایت۔ قانون کی پابندی

ماوراء النہر کے بادشاہوں میں طمغاج خاں اعظم بہت نیک اور

اور زبردست بادشاہ گزرا ہے۔ اس کے عہد میں دنیا کو ہر طرح کا آرام اور مخلوق کو ہر قسم کا اطمینان حاصل تھا۔ اور اگر وہ سید امام ابوالفتح سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ کے شہید کرنے کی غلطی نہ کرتا جس کی وجہ سے رعایا اُس کی دشمن ہوگئی، تو اس کا نام نوشیرواں کے نام سے زیادہ روشن ہوتا۔

جب طغماج خان تخت نشینی کے ارادے سے پہلے پہل سمرقند آیا تو ایک دن شہر سے باہر ایک میدان میں گھوم رہا تھا کہ ایک رند فقیر آیا اور ایک گل دستہ خان کی خدمت میں پیش کیا۔ خان نے گھوڑے کی باگ روکی اور اس کے ہاتھ سے گلدستہ لے کر دریافت کیا۔ "یہ پھول کہاں سے لایا"؟

فقیر نے جواب دیا "سامنے والے باغوں سے توڑے ہیں"۔

خان نے پوچھا "یہ باغ تیرے ہیں"؟

جواب ملا "نہیں"۔

پوچھا "باغ کے مالکوں کو ان پھولوں کی قیمت دی ہے"؟

جواب ملا "نہیں۔ بادشاہ سلامت، سمرقند میں نہ تو پھول فروخت ہوتے ہیں نہ خریدے جاتے ہیں"۔

خان نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ "یہ شخص چور ہے۔ اسے پکڑ لو۔ یہ بلا اجازت لوگوں کے باغوں میں جاتا ہے اور پھول چرا لاتا ہے۔ اگر میوہ لگے گا تو اسے بھی چرا لائے گا اور اگر کپڑا لتا پڑا پائے گا تو اس پر بھی ہاتھ صاف کرے گا۔ اس لیے اس کے ہاتھ کاٹ ڈالو"۔

مصاحبوں نے اس غریب کی سفارش کی تو خان نے کہا "اچھا، اس کی انگلی کاٹ دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور بے اجازت پرائے

باغوں میں داخل ہونے کی جرأت نہ کریں۔"

(۱۲) حکایت۔ محمود کا فیل بان اور ایک غریب کا نقصان

جس زمانے میں سلطان محمود بُست میں مقیم تھا، ایک دن کا ذکر ہے کہ دوپہر کے وقت خیمے میں تنہا بیٹھا تھا۔ اتنے میں دھوپ اور گرمی کے مارے ہانپتا کانپتا ایک مظلوم شخص آیا اور فریاد کرنے لگا۔

محمود نے پوچھا "تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا "آپ نے! بات یہ ہے کہ آپ کے فیل بان نے میری کھجور سے ہاتھی باندھ رکھا ہے اور خود کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑ توڑ کر نیچے پھینک رہا ہے۔ میں ایک غریب بال بچوں والا آدمی ہوں۔ اور میرے بچوں کا انھی کھجوروں پر گزارا ہے۔"

سلطان اٹھ کھڑا ہوا اور خیمے کے دروازے سے جھانک کر دیکھا مگر کوئی ملازم نظر نہ آیا۔ گرمی کی وجہ سے سب اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے گئے تھے۔ باہر نکل کر خود کوتل گھوڑے پر سوار ہوا اور صرف ایک سائیس کے ساتھ موقع پر جا پہنچا۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ اس مظلوم نے کہا تھا، سچ کہا تھا۔ سائیس کو حکم دیا کہ فیل بان کی گردن میں رسی باندھ کر اسی کھجور سے لٹکا دے۔
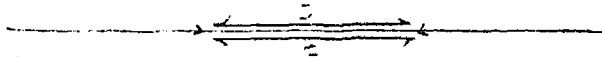
باب دہم

در توقیعاتِ بادشاہاں

(۱) حکایت ۔ محمودؔ غزنوی اور فوجیوں کی رعایت

سُلطان محمودؔ غزنوی جب کسی جنگ یا مہم پر جاتا تھا تو ہر قسم کی اجناس کی ڈکانیں ساتھ جاتی تھیں۔ عام طور پر فوج کے سپاہی، عادت کے مطابق ان دُکان داروں کے ساتھ تحکّم سے پیش آتے تھے۔ ایک مرتبہ دُکان داروں نے مِل کر سُلطان کی خدمت میں عرضی لکھی کہ فوجی لوگ ہم پر اپنی بڑائی کی دھونس جماتے ہیں اور لین دین کے معاملات میں کھنڈت ڈالتے ہیں۔ بادشاہ سلامت ہمیں ان کی زیادتی سے بچائیں۔

سُلطان نے اُس عرضی کی پُشت پر لکھ دیا کہ " فوجی سپاہیوں کی زیادتی برداشت کرنی چاہیے۔ کیوں کہ یہی لوگ تمھاری جان اور مال کے محافظ ہیں۔ اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو تم میں سے ایک شخص بھی اپنے گھر میں آرام سے زندگی بسر نہ کرسکتا تھا۔ تمھیں چاہیے کہ ان کا شکر ادا کرو، اور اپنے آپ کو اہلِ سیف کے برابر نہ سمجھو۔"

(۲) حکایت۔ موقع شناسی

امیرالمومنین متوکل کا وزیر عبداللہ یحیٰی خاقان بیان کرتا ہے کہ ایک دن ہم سیر کی غرض سے جنگل کی طرف گئے تھے۔ پھرتے پھراتے ایک نہر کے کنارے جا بیٹھے۔ امیرالمومنین نے تخلیے کا حکم دیا۔ اور جب تخلیہ ہو چکا تو مجھ سے بولا "حاجت مندوں کی درخواستیں لاؤ اور مجھے سناؤ۔"

میں نے حکم کی تعمیل کی اور سب سے پہلے مکّے والوں کی عرضی پیش کی۔ متوکل نے قلم دوات منگوائی اور عرضی کی پشت پر حکم لکھا کہ "بیت اللہ کے مجاوروں اور خانۂ خدا کے ساکنوں کی رعایت، خلفا کے لیے لازمی ہے۔ لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ ایک لاکھ درم مکّے اور مدینے کے رہنے والوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔" پھر میں نے سرحدوں کے کوتوالوں کی درخواست پیش کی۔ اُس پر حکم لکھا کہ "سرحدوں کی حفاظت مُلک داری کے لیے ضروری ہے۔ اور سرحدوں کی آبادی، سرحدی قلعوں سے تعلّق رکھتی ہے۔ اس لیے ہم حکم دیتے ہیں کہ سرحد والوں کے گزارے کے لیے ایک لاکھ دینار خزانے سے بھجوائے جائیں۔"

پھر میں نے ہاشمیوں کی درخواست گزرانی جس میں اُنھوں نے خلیفہ سے امداد کی التجا کی تھی۔ متوکل نے حکم لکھا کہ "صلۂ رحم اخلاقی شرف ہے۔ لہٰذا ہم نے وزیر سے فرمایا کہ وہ ہر ایک ہاشمی کو، اُس کی حیثیت کے مطابق مالی امداد دے کہ وہ آرام سے گزر کر سکیں۔"

اس کے بعد میں نے کسانوں کی درخواست پیش کی جس کا مضمون یہ تھا کہ "ہمارے ذمّے مال گزاری کا روپیہ بہت زیادہ ہو گیا ہے اور ہم اُس کے

ادا کرنے سے معذور ہیں۔ امیر المومنین کی مہربانی اور غریب پروری سے اُمید ہے کہ ہم پر عنایت کی نظر فرمائیں گے "

متوکل نے اس درخواست کی پُشت پر لکھا کہ "کسانوں کے ذمّے جتنا بقایا ہو وہ سب ہم نے معاف کیا۔ تاکہ آیندہ چل کر وہ مال گُزاری اور فرماں برداری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں "

یہ حُکم لکھنے کے بعد مجھ سے پُوچھا۔ "کیا یہ تمام درخواستیں آج کے لیے جمع کر رکھی تھیں ؟"

میں نے جواب دیا "امیر المومنین کی عمر دراز ہو۔ یہ درخواستیں مدّت سے حضور کی توجہات کی منتظر تھیں۔ آج موقع دیکھ کر میں نے پیش کرنا مناسب سمجھا۔ خیال تھا کہ اس فضا میں یہ عرضیاں امیر المومنین کو بُری نہ معلوم ہوں گی اور خُدا کی مخلوق کی مُرادیں پُوری ہو سکیں گی "

یہ سُن کر امیر المومنین نے مجھے مرحبا کہی اور بولا "لائق اور سمجھ دار خادم ایسے ہی ہوتے ہیں کہ رعایا کی درخواستوں کو موقع اور محل دیکھ کر پیش کریں اور اس طرح نہ صرف مخلوق کی خدمت کریں بلکہ مخدُوم کو بھی نیک نامی کا موقع دیں "

---

۱۴۴ حکایت۔ انصاف کا انصاف

امیر نصر بن احمد سامانی کے دو مصاحبوں میں کسی مالی قضیے کے سلسلے میں رنجش ہو گئی۔ اور بڑھتے بڑھتے دُشمنی کی حد تک پہنچ گئی۔ یہاں تک کہ قاضی اور حاکم سب تصفیے سے عاجز آ گئے۔ آخر اُنھوں نے فیصلہ کیا

کہ امیر نصر کو حکم مقرر کیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے اُس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے۔ چُناں چہ دونوں نے مل کر بادشاہ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ آپ ہمارا جھگڑا نبٹا دیں۔

امیر نصر نے درخواست پڑھ کر اُس کی پُشت پر لکھ دیا کہ "میں جو بھی حکم دوں گا وہ ایک کے حق میں اور دوسرے کے خلاف ہوگا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ دونوں میں سے ایک مجھ سے ناراض ہوگا، اور میں یہ نہیں چاہتا۔ لہٰذا دونوں کو چاہیے کہ صداقت اور انصاف کو حکم بنائیں اور صداقت و انصاف کے مطابق آپس میں فیصلہ کر لیں۔ تاکہ جھگڑا مٹ جائے۔"

دونوں امیروں نے یہ حکم پڑھا تو بادشاہ کی نیک نیتی اور حُسنِ اخلاق سے بہت متاثر ہوئے اور انصاف کو سامنے رکھ کر کھُلے دل سے ایک فیصلے پر پہنچ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کی دیرینہ دُشمنی اور عداوت کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۴۔ حکایت۔ طمغاج خاں کا فیصلہ

ایک مرتبہ سمرقند کے بادشاہ طمغاج خاں کی خدمت میں ایک خوب صورت لڑکے کو چوری کے الزام میں پیش کیا گیا۔ خان نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔"

لڑکا نوعمر تھا۔ مصاحبوں اور درباریوں کو اُس کی حالت پر رحم آیا۔ چُناں چہ سب نے مل کر رحم کی درخواست لکھی اور خان کی خدمت میں پیش کی۔ خان نے درخواست کی پُشت پر لکھ دیا کہ سزا میں رحم و کرم کی

گنجایش نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں لکھا ہے کہ "ولاتاخذکم بہما رافتہ فی دین اللہ" چور کے ہاتھ کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ صاحبِ مال کے دل کی حالت کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ اُس کے غم و الم کا اندازہ ہو سکے۔"

---

(۵) حکایت۔ اِنصاف کا دِل

ایک مرتبہ طمغاج خاں ایک عالی شان محل تیار کرا رہا تھا۔ اُس زمانے میں اُس کا معمول یہ تھا کہ دِن دِن بھر راج مزدوروں کے سر پر کھڑا رہتا اور اُن سے کام لیتا۔ اکثر کہا کرتا کہ "معماروں کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے"۔ اس سے اُس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ عمارتیں دیرپا ہوتی ہیں اور بنانے والوں کی یاد کو بھی دیرپا بنا دیتی ہیں۔

ایک دن وہ حسبِ معمول زیرِ تعمیر محل میں کھڑا ہوا معماروں سے کام لے رہا تھا کہ ایک کسان آیا اور خان کی خدمت میں ایک عرضی پیش کر کے داد پانے کے لیے گڑگڑایا۔ اُس روز بادشاہ غصّے میں بھرا ہوا تھا۔ کسان کی عرضی پھینک دی اور وہ ہوا کے جھونکے کے ساتھ اُڑ گئی۔ اِدھر عرضی اُڑی اور اُدھر کسان نے انصاف کی التجا کی۔ خان نے کہا "بھاگ جا، انصاف نہیں رہا"۔ کسان بولا "اتنا انصاف کیسے دے دیا کہ آپ کے پاس کچھ نہ رہا؟"

یہ سُن کر خان اتنا متاثر ہوا کہ دونوں ہاتھوں سے مُنھ چھپا کر رونے لگا۔ بہت دیر تک روتا رہا پھر بولا "تو سچ کہتا ہے کہ ہم نے کچھ نہیں دیا اور ہمارے پاس کچھ نہیں رہا"۔

سکون ہوئے پر اُس نے کسان کی زبانی سارا واقعہ سُنا اور اُس کی ضرورت پوری کی۔

---

(۹۱) حکایت۔ انعام کی بجائے شعر

سُلطان تکش بن ایل ارسلان والیٔ خوارزم و خراسان کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا اور وہ چغتائیوں سے امداد لینے کی غرض سے جا رہا تھا کہ راستے میں بخارا کی طرف سے گزرا اور چند روز تک شہر کے دروازے پر چھاونی ڈالنے کا اتفاق ہوا۔ اُس کے قیام کی خبر سُن کر شاعروں کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور اُس کی تعریف میں معرکتہ الآرا قصیدے لکھ کر پیش کیے۔
کئی روز گزرنے کے باوجود کسی کو انعام نہ ملا تو سب نے عرضی لکھ کر پیش کی کہ "غلاموں نے شاہی انعام کی اُمید میں قصیدے لکھے تھے۔ مگر اب تک محرومی ہے"

بادشاہ نے اس درخواست کی پُشت پر لکھا کہ ؎

"در زینِ سخا نشست دانم کردن
گر کوہ زر است، پست دانم کردن
لیکن چو خزانہ کہ بود اکنوں نیست
از نیست چگونہ ہست دانم کردن

اُردو ترجمہ:

سخاوت کی بلندی سے گزرنا مجھ کو آتا ہے
لُٹا کر گنجِ لعل و زر، سنورنا مجھ کو آتا ہے

مگر کیا کیجیے، جب ہو خزانہ ہی نہ قبضے میں
اگر ہو تو اُسے برباد کرنا مجھ کو آتا ہے!

---

(۷) حکایت۔ طالبِ علم کی مدد

صدرِ صدور جہاں عبدالعزیز بن عمر، بخارا کے حاکم اور علم و فضل بخشش و سخاوت اور ریاست و سیاست کے لحاظ سے برہانی خاندان کے بانی تھے۔ اُن کی بزرگی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ کوئی غریب طالبِ علم، تحصیلِ علم کے لیے سمرقند آیا ہوا تھا۔ اُس سے خیانت کا جرم سرزد ہو گیا۔ سمرقند کے سلطان نے اُسے پکڑ بلایا اور سزا دینی چاہی۔ چناں چہ حکم نافذ کیا کہ "اگرچہ اس طرح کی خیانت کی سزا قتل ہے مگر چوں کہ طالبِ علم ہے اس لیے تیس بیدوں کی سزا دی جاتی ہے۔"

صدرِ جہاں نے عرض کی کہ "اگر بادشاہ سلامت، ہر بید کو ایک ہزار اشرفیوں میں فروخت کر دیں تو خزانے میں بہت کچھ اضافہ ہو جائے گا۔ اور غریب طالبِ علم کی بے عزتی بھی نہ ہو گی۔"

چناں چہ آپ نے تیس ہزار اشرفیاں دے کر اس طالب علم کو سزا سے بچا لیا۔

ماوراء النہر میں آج تک یہ واقعہ مشہور ہے۔

(۸) حکایت ۔ صدرِ جہاں اور ایک سوداگر

انھی صدرِ جہاں کا ایک اور واقعہ مشہور ہے۔ ایک روز آپ کہیں جا رہے تھے ۔ راستے میں ایک سوداگر کو سپاہیوں کی حراست میں قید خانے کی طرف جاتے دیکھا ۔

آپ کی زبان سے نکل گیا کہ " تم مجھے کب تک اس دردِ سر میں مبتلا کرتے رہو گے "؟

سوداگر نے جواب دیا " آپ سر ہیں تو درد کس کے پاس لے جاؤں؟

صدرِ جہاں کو یہ جواب مزہ دے گیا۔ اور انھوں نے دس ہزار اشرفیاں خرچ کر کے اُس سوداگر کو مصیبت سے چھڑایا ۔

---

(۹) حکایت ۔ مذہب اور انصاف کی فضیلت

جب اسماعیل سامانی نے خراسان فتح کرنے کے لیے لشکرکشی کی تو ایک فوج مقدمتہ الجیش کی حیثیت سے آگے روانہ کر دی ۔ اس فوج کے سردار نے اسمٰعیل سے لکھ کر دریافت کیا کہ " جب ہم دشمن سے مقابلہ کریں تو کون سے ہتھیاروں سے کام لیں ؟ اور جب لشکر آمنے سامنے ہوں تو ہم اپنے لشکر کی کس صورت سے حفاظت کریں "؟

امیر اسمٰعیل نے اس درخواست پر حکم لکھا کہ " دین سے بڑھ کر کوئی ہتھیار حفاظت کا ضامن اور انصاف سے زیادہ کوئی پناہ گاہ پایہ دار نہیں ہے۔"

---

(۱۰) حکایت۔ حقیقی زندگی

ایک فلسفی عالم نے کسی معاملے میں عمرولیث کو عرضی لکھی اور شروع میں معمول کے مطابق دُعا دی کہ ؎

"تم سلامت رہو ہزار برس"

عمرولیث بہت بدمزاج اور ظالم شخص تھا۔ عرضی کی پُشت پر لکھ دیا "سمجھ دار لوگ، ناممکن باتیں نہیں لکھا کرتے۔ تم نے عرضی کے شروع میں لکھا ہے کہ ؎

تم سلامت رہو ہزار برس

میرا ہزار برس زندہ رہنا قطعی ناممکن ہے۔ باقی باتوں کا بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔"

اس عالم نے یہ حکم پڑھا تو عمرولیث کے پاس پہنچا اور بولا "امیر اپنے حکم کا جواب سُنیں۔ یقین رکھیے کہ انسان کی زندگی صرف جسمانی زندگی سے عبارت نہیں ہے۔ بلکہ اُن نیکیوں سے عبارت ہے جو انسان کے مرنے کے بعد سلامت رہتی ہیں۔ نیکی کے بغیر زندگی، زندگی نہیں موت سے بدتر چیز ہے۔ جیسا کہ حکیم سنائی نے لکھا ہے ؎

بمیر ای حکیم از چنیں زندگی!
کہ زیں زندگی تا نمیری، نمانی!"

عمرولیث کو یہ جواب بہت پسند آیا اور اُس نے اس عالم کی ضرورت پوری کردی۔

(۱۱) حکایت ۔ عمرو لیث اور ایک عالم عورت

جب عمرو لیث نے نیشا پور فتح کیا تو اس کی فوج کے سپاہیوں نے شہر والوں کے گھروں پر قبضہ کر کے اُن میں رہنا سہنا شروع کر دیا۔ خدا کی مخلوق ان بے بُلائے مہمانوں سے تنگ آگئی اور بڑی مصیبت سے زندگی بسر کرنے لگی۔

عمرو لیث کی فوج میں ایک سردار تھا۔ جسے امیر کے دربار میں بہت عزت حاصل تھی۔ ابو نصر مرادی اُس کا نام تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ "ایک دن میں اپنی قیام گاہ میں بیٹھا تھا کہ ایک سیدانی آئی۔ چوں کہ میں مدت تک اس کے پڑوس میں رہ چکا تھا اس لیے اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ رقیہ بنتِ بشر الاہوازی، اُس کا نام تھا اور وہ بہت نیک، حافظِ قرآن اور عالم عورت تھی۔ مجھ سے بولی "میں عمرو لیث کی خدمت میں ایک عرضی بھجوانا چاہتی ہوں۔ اگر تم بھجوا دو تو ممنون ہوں گی"۔

میں نے عرضی لے کر پڑھی تو اُس میں لکھا تھا کہ "میں اس خطے کے سادات کی لڑکی ہوں۔ میرے اس شہر میں چار مکان تھے۔ مگر بڑے ظلم کی بات ہے کہ ان چاروں مکانوں پر فوجیوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ میری چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں اس لیے عرض پرداز ہوں کہ چاروں مکانوں میں سے کم از کم ایک مکان سپاہیوں سے خالی کرا دیا جائے۔ باقی تین مکانوں کے استعمال پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے"۔

ابو نصر کہتا ہے "میں نے اُس سیدانی سے کہا کہ میں یہ عرضی امیر تک نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ اتنا کر سکتا ہوں کہ اگر تم خود یہ عرضی امیر کی خدمت میں

پیش کرو تو میں اُس وقت دو چار لفظ تمھارے حق میں کہہ دوں، شاید کام بن جائے۔"

سیدانی نے میری بات مان لی۔ چناں چہ دوسرے دن وہ عرضی لیے ہوئے عمرولیث کی خدمت میں پہنچی۔ میں ایک طرف کھڑا تھا۔ عمرولیث نے سیدانی کے ہاتھ سے عرضی لے کر پڑھی اور اُس کی پشت پر حکم لکھا کہ "نیشاپور والوں کو چاہیے کہ سپاہیوں کی اقامت اور اپنی زحمت پر صبر کریں۔ کیوں کہ یہ بے چارے سیستان سے اپنے گھر اُٹھا کر نہیں لا سکتے۔"

میں نے ایک دوست سے (جو میرے ساتھ کھڑا تھا) کہا کہ "یہ عورت بڑی پارسا اور قرآن خواں ہے۔ بلکہ قرآن کی حافظ ہے۔"

میری بات سن کر عمرولیث کو بہت طیش آیا۔ جھلا کر بولا "اس عورت کو بلاؤ۔"

جب سیدانی لوٹ کر آئی تو امیر نے دریافت کیا "تمھیں قرآن یاد ہے؟"

سیدانی نے جواب دیا "یاد ہے۔"

بولا "تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ "ان الملوک اذا دخلوا قریتہ افسدوہا و جعلوا اعزۃ اہلہا اذلتہ وکذالک۔ یعنی جب بادشاہ کسی قریے میں داخل ہوتے ہیں تو فساد پھیلاتے ہیں اور اس شہر کے عزت داروں کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔"

سیدانی نے جواب دیا "بے شک یا امیر مجھے یہ آیت یاد ہے۔ لیکن امیر نے اس آیت کے ابتدائی فقرے پڑھے ہیں کہ "ان الملوک اذا دخلوا قریتہ افسدوہا۔ یعنی یہ بلقیس کی بات ہے جو اُس نے اپنی قوم سے کہی۔ اور خدا نے بلقیس کی خبر دی ہے۔ مگر امیر نے آخری فقرے نہیں پڑھے کہ

خُدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ "فتلک بیوتہم خاویۃ بما ظلموا۔ خانۂ امیر آباد' اب یُں جاتی ہوں"۔

جب عمرو لیث نے یہ آیت سُنی تو بے اختیار رو دیا اور بولا "اے مردانہ عورت! تو نے خوب جواب دیا"۔

یہ کہہ کر اُس نے اُسی وقت حُکم دیا کہ "تمام سپاہی شہریوں کے مکان خالی کردیں۔ اور شہر کے باہر چھاؤنی ڈالیں"۔

---

(۱۲) حکایت۔ فصاحت کا اثر

امیرالمومنین متوکل ایک دن عدالت گاہ میں بیٹھا تھا کہ ایک اندھا شخص آیا اور عرض کی "یا امیرالمومنین! قاعدہ یہ ہے کہ جب بچے پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ ماں کے پاس شکایت لے جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی ماں اس سے زیادہ طاقت ور ہے اور اس کی مدد کرسکتی ہے۔ جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو باپ کے پاس جاکر امداد چاہتا ہے کیوں کہ جانتا ہے کہ ماں باپ سے کم زور ہے۔ اسی طرح جب وہ بالغ ہوجاتا ہے تو بادشاہِ وقت سے داد چاہتا ہے کیوں کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہِ وقت اس کے ماں اور باپ دونوں سے زیادہ طاقت رکھتا ہے۔ اگر بادشاہِ وقت اُس کی مدد نہ کرنا چاہے تو انسان کے لیے خُدائے بزرگ و برتر کی درگاہ میں فریاد کرنے کے سوا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔ مجھ پر فلاں شخص نے ظُلم کیا ہے۔ اور میری زمین پر زبردستی قبضہ کرلیا ہے۔ لہٰذا میری داد کو پہنچیے تاکہ مجھے خُدائے تعالےٰ کی درگاہ میں فریاد نہ لے جانی پڑے اور گُنہ گار اور بے گناہ دونوں یکساں طور پر عذابِ الٰہی

میں گرفتار نہ ہوں جیسا کہ قرآن شریف میں فرماتا ہے " قولہ تعالے۔ واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ"۔

اندھے آدمی کی یہ فصیح تقریر سن کر متوکل نے اپنے وزیر فتح خاقان سے مخاطب ہو کر کہا "جلدی سے حکم لکھو کہ جس شخص نے بھی اس کی زمین پر قبضہ کیا ہو اسے واپس کر دے۔ تاکہ ہمارے قہر و غضب کا نشانہ نہ بنے کیوں کہ خدا کی قسم اگر یہ آنکھوں سے معذور نہ ہوتا تو آج تمھاری جگہ میرا وزیر ہوتا۔"
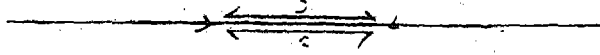
باب یازدہم

در فراستِ اربابِ کیاست

(۱) حکایت ۔ نمائش کا نتیجہ

ابراہیم موصلی بیان کرتا ہے کہ معتصم کا وزیر فضل بن مروان بڑا مدبر، کفایت شعار اور بلند پایہ شخص تھا۔ اس کی مختلف صلاحیتوں کی وجہ سے معتصم کے نزدیک اُس کی قدر و قیمت روز بہ روز بڑھتی جاتی تھی۔

ایک مرتبہ فضل نے چاہا کہ خلیفہ کو اپنی شان و شوکت سے متاثر کرے۔ اس مقصد سے اس نے خلیفہ کو اپنے محل میں دعوت دی۔ امیرالمومنین نے دعوت قبول کی اور اُس کے محل پر آیا۔

محل کی شان اور باغوں کی شادابی دیکھ کر معتصم کو بہت حیرت ہوئی۔ مگر جب محل کے اندر پہنچا اور اُس کے بیش قیمت آرائشی سامان پر نظر پڑی تو دنگ رہ گیا۔ شرم کے مارے اُسے پسینہ آگیا اور گھبرا کر بولا "میرے پیٹ میں درد ہے، واپس جاؤں گا۔"

اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

فضل خلیفہ کے اس طرزِ عمل پر بہت حیران ہوا اور ابراہیم موصلی سے صورتِ حال بیان کرکے سبب دریافت کیا۔

ابراہیم موصلی اپنے عہد کے عقل مندوں میں گنا جاتا تھا۔ بولا "بہتر یہ ہے کہ تم اسی وقت امیر المومنین کے پاس جاؤ اور انھی کے پاس موجود رہو۔ میں تھوڑی دیر میں ایک رقعہ لکھ کر تمھارے نام بھیجوں گا۔ جس وقت یہ رُقعہ تمھیں ملے اسے خلیفہ کے سامنے اُونچی آواز سے پڑھنا۔ جب امیر المومنین پوُچھے کہ "یہ کیا ہے"؟ تو جواب دینا کہ" امیر المومنین کے اہل کاروں کا رُقعہ ہے۔ حضور کی دعوت کے سلسلے میں میں نے خزانے سے آرائشی سامان منگوایا تھا وہ واپس مانگ رہے ہیں۔"

فضل نے ایسا ہی کیا اور جب اُسے ابراہیم کا رقعہ ملا اور اُس کے پڑھتے وقت خلیفہ نے پوُچھا "یہ کیا ہے"؟ اور فضل نے ابراہیم کا سکھایا ہوُا جواب دیا تو خلیفہ کو معلوم ہوُا کہ جو حیرت انگیز اور بیش بہا سامان اس نے فضل کے محل میں دیکھا تھا وہ درحقیقت اُسی کی ملکیت ہے تو اُس کی پریشانی جاتی رہی۔ اور وہ ہنسنے لگا۔

یہ دیکھ کر فضل نے خُدا کا شکر ادا کیا اور اپنے دل میں کہا کہ آیندہ میں اپنے ولی نعمت سے ایسی گستاخی نہیں کروں گا اور نہ ایسی مصیبت میں پھنسوں گا۔"

---

(۲) حکایت۔ کسان یا لوہار

محمد سماعہ بیان کرتا ہے کہ میں اور امام شافعی رضی اللہ عنہ مدینے کی ایک مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آکر نماز پڑھنے لگا۔ میں نے کہا۔ "یہ شخص کسان معلوم ہوتا ہے۔"

امام شافعیؒ نے فرمایا "اسے لوہار ہونا چاہیے"۔
جب وہ شخص نماز پڑھ چکا تو اُس سے اُس کا پیشہ پوچھا گیا۔ اس نے جواب دیا "میں پہلے لوہار تھا مگر اب کاشت کاری کرتا ہوں"۔

---

(۲) حکایت۔ امام شافعیؒ اور اُن کا میزبان

محمد سماعہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کرتا ہے کہ "میں نے فراست کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مصر اور شام کا سفر کیا۔ فراست کے موضوع پر جس قدر کتابیں لکھی گئی تھیں حاصل کیں اور اس علم کی تحصیل میں بہت تکلیفیں اُٹھائیں۔ آخر جب کامیابی حاصل کرکے لوٹا تو راستے میں ایک مقام پر ٹھیرنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں مجھے ایک شخص ملا، جس کی آنکھیں نیلی اور چہرہ سُرخ تھا۔ میں نے فراست کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ اس حُلیے کے آدمی سے بھلائی کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ چناں چہ اس شخص نے ہمیں دیکھ کر خوشی ظاہر کی اور آگے بڑھ کر مرحبا کہا تو مجھے بہت تعجب ہوا۔ میرا تعجب اور بڑھا جب وہ شخص ہمیں اپنے صاف ستھرے مکان میں لے گیا اور اس نے ہمارے لیے پُرتکلف کھانے کا اور ہمارے گھوڑوں کے لیے چارے کا انتظام کیا۔ اس کی یہ مہماں نوازی دیکھ کر مجھے بہت رنج ہوا کہ میں نے فراست کی تعلیم پر جتنا وقت صرف کیا تھا وہ بالکل اکارت گیا اور اس تجربے کی رُو سے میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب غلط نکلا کیوں کہ اگر یہ علم سچا ہوتا تو اس شخص کی طرف سے یہ مہماں نوازی اور شرافت و مہربانی کا سلوک نہ ہوتا۔ غم و غصّے کے عالم میں میں نے فیصلہ کیا کہ فراست کی جو کتابیں میرے ساتھ ہیں اُن سب کو جلا ڈالوں گا۔ اور کسی

سے اس علم کے متعلق ایک حرف نہ کہوں گا۔"

وہ رات ہم نے نہایت آرام و اطمینان کے ساتھ وہیں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو چلنے کی ٹھیرائی۔ رخصت ہوتے وقت میں نے اپنے میزبان سے کہا کہ "آپ نے ہماری خاطر بہت تکلیف اُٹھائی اور مہمان نوازی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ ہم کوشش کریں گے بہ شرطے کہ زندگی رہی، آپ کے اس احسان کا معاوضہ ادا کریں۔ کبھی مکّے کی طرف آنا ہو تو محمد بن ادریس کا مکان دریافت کر لیجیے گا۔"

میری یہ بات سُن کر وہ شخص بہت ہنسا اور بولا "بڑے بھولے بھالے اور نادان آدمی ہو! میں تمھارا غلام نہ تھا کہ اس طرح تمھاری خاطر تواضع کرتا۔" یہ کہ کر اُس نے جیب سے ایک کاغذ کا پُرزہ نکالا اور میری طرف بڑھایا۔ میں نے رُقعہ لے کر پڑھا تو اُس پر ہمارے کھانے پینے کی چیزوں سے لے کر گھوڑے کے چارے تک کی تفصیل اور اُن کی قیمت لکھی ہوئی تھی اور جمع کی جگہ پانچ دینار درج تھے۔ میں نے اپنے غلام سے کہا کہ "پانچ کی جگہ دس دینار ان کے حوالے کر کہ انھوں نے مجھے ایک بہت بڑی تشویش سے نجات دلائی ہے۔" اور اپنے دل میں کہا کہ "آخر فراست کی صداقت ظاہر ہو کر رہی۔ خدا کا شکر ہے کہ میری اتنی محنت ضائع نہ ہوئی۔"

---

(۴) حکایت۔ کُلاہ کی ہوس میں جُبّے کا نقصان

عبداللہ رازی کا بیان ہے کہ ایک دن ایک امیر نے مجھے ایک جُبّہ عنایت کیا۔ میں اُسے پہن کر ابوبکر شبلی کی مجلس میں آیا۔ اتفاق سے اُس روز

شیخ کلاہ اوڑھے بیٹھے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا "کاش کہ یہ کلاہ میری ہوتی اور میں اسے اس جُبّے کے ساتھ اوڑھتا۔ دونوں کا جوڑ کیسا اچھا رہتا۔
میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے گھور کر میری طرف دیکھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مکان پر لے گئے۔ وہاں پہنچ کر فرمایا "جُبّہ اُتار دو"
میں نے جُبّہ اُتار کر اُن کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ نے اُسے تہ کیا اور اپنی کُلاہ اُتار کر اس پر رکھ دی۔ پھر دونوں کو اُٹھا کر تنور میں پھینک دیا۔ اور وہ جل کر راکھ ہو گئے تو فرمایا "یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ تیرا نفس آیندہ جب کبھی دُوسروں کا لباس دیکھے تو اُس کے حصول کے لیے تجھے نہ بہکائے"

---

(۵) حکایت۔ مردِ مومن کی فراست

جب جُنید بُغدادی (رحمتہ اللہ علیہ) کا علم و فضل اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ تو اُن کے ماموں سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے اُن سے کہا کہ "اب تمھیں منبر پر جا کر وعظ کہنا اور مخلوق کو اپنے علم سے فائدہ پہنچانا چاہیے"
جنید نے فرمایا "میرا ابھی استفادے کا زمانہ ہے، افادے کا وقت نہیں آیا"
ایک رات جنید نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلعم انھیں حُکم دیتے ہیں کہ "منبر پر جاؤ اور مخلوق کو وعظ و نصیحت کرو"
یہ خواب دیکھ کر جنید سری سقطی کے مکان پر گئے اور دروازے کی زنجیر ہلائی۔ سری سقطی باہر آئے اور اس سے پہلے کہ جنید اپنے خواب کا حال

بیان کرتے سریؔ نے فرمایا "تم نے میری بات نہ مانی۔ آخر تمھیں خواب میں ہدایت کی گئی۔"

اُس دن کے بعد جنید نے مسجد میں وعظ کہنا شروع کر دیا اور مُرید اور عقیدت مند ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر فیض اٹھانے لگے۔

جنید کے علم و فضل کی شہرت پھیلی تو ایک نوجوان راہب نے اُن کا امتحان کرنا چاہا۔ چُناں چہ مسلمانوں کا لباس پہن کر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور آپ سے پُوچھا کہ "یا شیخ حضرت محمدؐ رسول اللہ کی اس حدیث کے کیا معنی ہیں کہ "مردِ مومن کی فراست سے حذر کرو۔"

یہ سُن کر جنید نے سر جھکا لیا۔ کچھ دیر بعد سر اُٹھا کر فرمایا "تجھے اس مسئلے سے کیا تعلق ہے؟ اسلام قبول کر کہ تیری سلامتی کا باعث ہے۔"

راہب سمجھ گیا کہ جنید کی فراست نے نُور بن کر اُس کے کفر کا کھوج لگا لیا ہے۔ چُناں چہ اُس نے اسلام قبول کیا اور جنید کی خدمت میں رہنے لگا۔

---

(۹) حکایت مسلمانوں کی فراست کا امتحان

ابراہیم خواص بیان کرتا ہے کہ ایک دن میں بہت سے دوستوں اور درویشوں کے ساتھ، بغداد کی جامع مسجد میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک خوش پوش اور عقل مند جوان آیا اور ہمارے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی گفتگو اتنی دل نشین اور موثر تھی کہ میرے اور میرے دوستوں کے دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگے۔ میرے دل نے گواہی دی کہ "یہ جوان یہودی ہے۔" چُناں چہ میں نے

اپنے دوستوں سے یہ بات کہ دی۔

انھوں نے کہا" یہ کیسے ہو سکتا ہو۔ اس کی صورت، لباس، گفتگو کی لطافت، اور زبان کی حلاوت پر غور کرو۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہو کہ اس سے اخوت کی بو آتی ہو۔ یہ غیر کیوں کر ہو سکتا ہو"

اتنے میں مجھے کسی ضرورت سے اٹھنا پڑا۔ جب میں وہاں سے چلا آیا تو اُس نوجوان نے باقی حاضرین سے دریافت کیا کہ" ابراہیم نے آپ لوگوں سے کیا کہا تھا؟"

حاضرین نے ہر چند چھپانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا اور ان کو قسمیں دینے لگا۔ آخر مجبور ہو کر لوگوں کو ساری بات بتانی پڑی۔ یہ سُن کر وہ پکار اُٹھا" اسلام پیش کرو۔ تاکہ میں ایمان لاؤں۔ کیوں کہ میں نے توریت میں پڑھا ہو کہ اُمّتِ محمدی کے مخلصوں کی فراست کبھی خطا نہیں کرتی۔"

چُناں چہ وہ یہودی نوجوان اُسی وقت ایمان لے آیا۔

---

(۷) حکایت۔ خلیفہ منصور اور ایک ذمی

امیر المومنین منصور نے ایک خادم کو حکم دیا کہ" دیکھو! وہ ماہی گیر ایک مچھلی لیے بازار میں جا رہا ہو۔ اُس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور جو شخص اس سے مچھلی خریدے اُسے پکڑ کر یہاں لے آؤ۔"

خادم ماہی گیر کے ساتھ ہو لیا اور بازار میں پہنچا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک شخص آیا اور وہ مچھلی خرید کر جانے لگا۔ خلیفہ کا خادم انتظار میں تھا۔ جلدی سے آگے بڑھا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر منصور کے پاس لے آیا۔ منصور نے

پوُچھا " تو کون ہو" ؟

اس شخص نے جواب دیا " ذمی ہوُں "

پوُچھا " کتنے بال بچّے ہیں" ؟

جواب دیا " مجرّد ہوُں "

منصور نے سوال کیا " تیرے پاس کتنا رُپیہ ہو" ؟

اس شخص نے کہا " ایک کوڑی نہیں۔ بالکل بھوکا ننگا ہوُں "

منصور نے ایک غلام سے کہا " اس ذمی کو لے جا۔ اگر یہ اپنے مال و دولت کے متعلق سچ سچ بتا دے تو چھوڑ دینا ورنہ قتل کر دینا "

یہ سُن کر اُس شخص نے کہا " یا امیر المومنین! میرے پاس صرف دس ہزار درم ہیں۔ مَیں قسم کھا کر کہتا ہوُں کہ اس سے زیادہ ایک حبہ نہیں ہو "

منصور نے پوُچھا " یہ رُپیہ تیرے پاس کہاں سے آیا" ؟

جواب ملا " مَیں ابوایوب وزیر کا ہمسایہ تھا اس نے مجھے اہواز کا عامل مقرّر کر کے بھجوایا تھا۔ یہ رُپیہ مَیں نے وہاں کمایا ہو "

منصور بولا " یہ رُپیہ میرا ہو کیوں کہ تو نے میری رعایا سے وصول کیا ہو "

ساتھ ہی حکم دیا کہ اس کا رُپیہ ضبط کر کے چھوڑ دیا جائے۔

---

(۸) حکایت۔ منصور کی فراست

منصور کی فراست کے سلسلے میں ایک اور حکایت بیان کی جاتی ہو کہ ایک دن وہ شکار کو جا رہا تھا۔ راستے میں دیکھا کہ ایک فقیر چلّا چلّا کر بھیک

مانگ رہا ہو۔ منصور نے حکم دیا کہ اسے جیل بھیج دیا جائے۔ کیوں کہ اس کے پاس رُپیہ ہو اور پھر بھی بھیک مانگ رہا ہو۔"

سپاہی اُسے پکڑکر مار پیٹ کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس نے اٹھارہ ہزار درم کا اقرار کیا" منصور نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہو۔ کیوں کہ اس کی آواز اونچی ہو"۔

سپاہیوں نے دوبارہ مار پیٹ کی تو اس نے تیس ہزار درم کا اقرار کیا۔

منصور نے کہا" اب کے سچ بولا ہو۔ تیس ہزار سے زیادہ اس کے پاس نہ ہوں گے"۔

اس پر سپاہیوں نے مار پیٹ بند کردی اور منصور نے فقیر کو مخاطب کرکے کہا" او بدبخت! تیس ہزار درم کے ہوتے ہوئے تو بھیک مانگتا ہو؟"

پھر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ جاؤ اور اس کا تمام رُپیہ چھین کر خزانے میں پہنچا دو"۔

چناں چہ رُپیہ ضبط کرکے اُس کا روٹی کپڑا مقرر کردیا اور بھیک مانگنے سے روک دیا گیا۔

---

(۹) حکایت۔ ایک عرب کی سُراغ رسانی

ابوزرہ اپنے باپ کی زبانی بیان کرتا ہو کہ" میں اور میرا ایک دوست حج کرنے گئے تھے۔ راستے میں کسی چور نے میرے دوست کے چمڑے کے صندوق میں سوراخ کرکے اس کی اشرفیوں کی تھیلی اُڑا دی۔ رنج و غم کے

مارے اُس بے چارے کی بہت بُری حالت ہوگئی اور اس کی پریشانی سے ہم بھی پریشان ہوگئے۔

ہم اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھے کہ اتنے میں دُور سے ایک جوان آتا نظر آیا۔ قریب پہنچا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہمارے مالک مکان کے چچا کا لڑکا چلا آتا ہے۔ وہ فراست کے علم میں ماہر تھا اس لیے ہم نے اُس سے درخواست کی کہ چوری کی تلاش میں ہماری مدد کرے۔

اُس نے جواب دیا "میں قسم کھا چکا ہوں کہ گم شدہ کی تلاش نہیں کروں گا لیکن تمھاری خاطر صرف ایک مرتبہ کے لیے اپنی قسم کو توڑتا ہوں، مجھے اُس جگہ لے چلو جہاں وہ صندوق رکھا تھا۔"

ہم اسے موقعۂ واردات پر لے گیے۔ جب وہ اچھی طرح معائنہ کر چکا تو بولا "اب تم میرے ساتھ آؤ۔"

چناں چہ ہم اُس کے ساتھ ہولیے۔ وہ صحرا کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑی دُور چل کر بولا "تمھاری اشرفیوں کی تھیلی ایک اندھے حبشی نے چُرائی ہے۔ مگر اس کے قدموں کے نشانات یہیں تک ملتے ہیں۔ اس لیے اپنے چور کو یہیں کہیں تلاش کرو۔"

اِدھر اُدھر دیکھ بھال کرنے پر اندھا حبشی مل گیا۔ اس نے چوری کا اقرار کرلیا مگر کہا کہ "اشرفیوں کی تھیلی صحرا میں کہیں گر گئی ہے۔"

سب نے مل کر تلاش کی تو تھیلی ایک جگہ پڑی ہوئی مل گئی۔ اور میری اور میرے دوست کی پریشانی کا خاتمہ ہوگیا۔

تھیلی پاکر ہم نے اُس جوان سے پوچھا کہ "قدموں کے نشانات کے ساتھ ساتھ چور کی منزل تک پہنچنا تو سمجھ میں آتا ہے۔ مگر تم نے یہ کیوں کر جانا

کہ چور ایک حبشی ہے اور یہ کہ وہ اندھا ہے۔"

جوان نے جواب دیا "اس طرح کہ قدموں کے نشانات پورے اور گہرے تھے۔ ہم لوگوں کے اتنے پورے اور گہرے نہیں ہوتے۔ البتہ حبشیوں کے ایسے ہوتے ہیں۔ اس کے اندھے ہونے کا پتا اس طرح چلا کہ اُس نے سیدھا راستہ طے نہیں کیا بلکہ اُس کے قدموں کی لکیر ٹیڑھی اور ترچھی نظر آئی۔

میرے دوست نے اشرفیوں کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ "جس قدر چاہو اس میں سے لے لو" مگر اُس نے ایک اشرفی تک قبول نہیں کی۔

---

(۱۰) حکایت۔ محمود غزنوی کی پیش گوئی

ابو نصر مشکانی بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ سُلطان محمود کو اپنے باپ امیر سبکتگین کا خیال آیا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دُعا کر کے کہنے لگا "میرے والد نے (خُدا اُن پر رحمت کرے) سلطنت کے قاعدے اتنے اچھے بنائے اور اُن کے نفاذ میں اتنی تکلیفیں اُٹھائیں کہ تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اُن کی زندگی میں میں سوچتا تھا کہ ان کے بعد آرام سے بادشاہی کروں گا اور خوشی سے زندگی گزاروں گا۔ لیکن جب اُن کا سایہ میرے سر سے اُٹھ گیا تو مجھے بہت صدمہ ہوا۔ اب یہ حالت ہے کہ جس دن سے وہ سدھارے ہیں مجھے ایک دن بھی خوش رہنا نصیب نہیں ہوا۔ تم سمجھتے ہو کہ میں نشہ پی کر سرور حاصل کرتا ہوں۔ نہیں۔ یہ تمھاری بہت بڑی غلطی ہے۔ حقیقتاً یہ ایک بہانہ ہے۔ اس بات کا کہ چند روز کے لیے مجھے غموں سے اور دُنیا کو مجھ سے نجات حاصل

ہو سکے۔ مزے کی بات یہ ہو کہ میرے فرزند بھی وہی سوچتے ہیں جو میں اپنی جوانی میں سوچا کرتا تھا لیکن جب اُن کے سر پر پڑے گی تب ان کو حقیقت معلوم ہو گی۔"

یہ سُن کر سلطان کے فرزندوں (محمد اور مسعود) نے کھڑے ہو کر عرض کی "خُدا نہ کرے کہ ہمارے خیالات ایسے ہوں۔ ہماری آرزو تو یہ ہو کہ اپنی جانوں کو آپ کی خاکِ پا بنائیں۔"

یہ سُن کر سُلطان نے دونوں بیٹوں کو بٹھا دیا اور اپنا پانو پھیلا کر میری گود میں رکھ دیا۔ میں پائے مبارک کو ملنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا "میرے یہ بیٹے تجھے کیسے معلوم ہوتے ہیں"؟

میں نے زمین بوسی کے بعد عرض کی کہ "دونوں آسمانِ اقبال کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ میری زبان میں اتنی طاقت کہاں کہ ان کے کمالات کی تعریف کر سکے۔ خُدا کا شُکر ہو دونوں تعریف سے بالا ہیں۔"

فرمایا "اس تعریف کے کوئی معنی نہیں۔ اپنے بیٹوں کے متعلق ایک باپ ہی بہتر جان سکتا ہو۔"

پھر پوچھا "تیرا کوئی لڑکا ہو"؟

میں نے جواب دیا "بادشاہ کا صرف ایک غلام زادہ ہو۔"

فرمایا "تجھے میری جان اور سر کی قسم ہو۔ بتا کہ وہ تیری ہی طرح ہو"؟

میں نے جواب دیا "خُداوند بہتر جان سکتے ہیں۔ غلام زادہ ابھی بہت کم عمر ہو۔ اس کے متعلق کیا عرض کیا جا سکتا ہو"؟

فرمایا "بڑا ہو گا اور تم دیکھو گے کہ تمھاری برابری نہ کر سکے گا۔ اگر

کرے گا تو یہ عجیب بات ہوگی۔"

پھر فرمایا "یہ مسعود بہت جابر شخص ہے کسی کو اپنے سے برتر نہیں سمجھتا۔ محمد دل چلا، جواں مرد اور نڈر ہے عیش و نشاط اور ایسی ہی دوسری باتوں کے لحاظ سے مسعود جو کچھ کرتا ہے، محمد اس سے زیادہ کرتا ہے مگر مآل اندیش ہے۔ مسعود انجام پر نظر نہیں رکھتا۔ نہ اس کے متعلق سوچتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر محمد کام یاب ہوا تو وائے بہ محمد۔ مسعود کے ہاتھ سے خدا ہی اس کو بچائے۔ اور میرے امیروں اور درباریوں پر بھی افسوس، کیوں کہ مسعود لالچی ہے۔ اور دولت سے بہت محبت رکھتا ہے۔ ذرا سی دولت کے لیے وہ پانچ دن میں اپنے امرا کو برطرف کر دے گا۔ اور اُن کی جگہ نالائقوں کو دینے سے دریغ نہ کرے گا۔ کیوں کہ اُس کا خیال ہوگا کہ اس لمبی چوڑی سلطنت میں ہر شخص لالچی ہے۔ اب تم اندازہ کرو کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟"

ابونصر کہتا ہے کہ "میں نے جواب میں عرض کی "خداوند قیامت تک اپنی سلطنت کے سر پر سلامت رہیں۔ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ یہ ملک ابد تک اس خاندان میں باقی رہے گا۔" کچھ دیر تک سلطان سے اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اسے نیند آگئی۔ اور میں چلا آیا۔

مدت کے بعد دنیا نے دیکھ لیا کہ جو کچھ سلطان نے فرمایا تھا وہ صحیح ثابت ہوا۔ محمد اور مسعود کا واقعہ سب کو معلوم ہے۔"
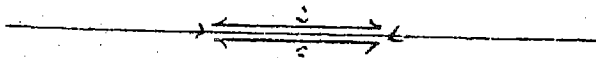
باب دوازدہم

در فوائدِ رائے ہائے صواب

(۱) حکایت۔ مہدی کا مستقبل اور ابو عبداللہ کی رائے

امیرالمومنین منصور چاہتا تھا کہ اپنے فرزند کو امورِ سلطنت سے آگاہ کرنے کا انتظام کرے۔ ایک دن اپنے امیروں اور مصاحبوں سے مشورہ کیا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "شہر رقہ اس کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ آپ کی زندگی ہی میں بڑا مرتبہ حاصل کر سکے۔"

یہ سُن کر ابو عبداللہ نے منصور کے وزیر محمد بن عطا سے کہا کہ "ان بزرگوں نے جو رائے دی ہے وہ امیرالمومنین کی مصلحت کو مدِنظر رکھ کر دی ہے اور میری رائے اس کے خلاف ہے۔"

محمد بن عطا نے پوچھا "آپ کی کیا رائے ہے؟"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "میری رائے یہ ہے کہ امیرالمومنین اپنے فرزند کو اپنی نظروں سے دور نہ رکھیں۔ کیوں کہ زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ ممکن ہے زمانہ ساتھ نہ دے۔ اور جو کچھ اس نے بخشا ہے واپس لے لے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ مہدی ہر وقت امیرالمومنین کی خدمت میں موجود رہے۔ اور ضرورت کے وقت حکومت کے تمام معاملات پر قابو پا سکے۔ اگر وہ دور رہے گا تو ہر طرح

کے فتنہ و فساد کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوگا۔"

وزیر نے یہ رائے ایک کاغذ پر قلم بند کر کے منصور کی خدمت میں پیش کردی۔ منصور نے بہت پسند کی اور مہدی کو تخت سے جدا نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب منصور نے وفات پائی تو مہدی نے فوراً تختِ خلافت پر قبضہ کر لیا۔

---

(۲) حکایت۔ اِدھر کنواں اُدھر کھائی

امیر المومنین معتضد کے عہد میں طمغاج خاں دمشق کا والی تھا۔ ایک سال اُس نے حج کا ارادہ کیا۔ اور اس سلسلے میں اپنے دربار کے بڑے بوڑھوں سے مشورہ لیا۔ سب نے کہا کہ "ثواب کا کام ہے ضرور جائیے" لیکن ایک مصاحب نے عرض کی کہ "امیر کے لیے دمشق چھوڑنا مناسب نہیں۔"

طمغاج خاں نے پوچھا "کیوں؟"

مصاحب نے جواب دیا "اس لیے کہ حضور دو بادشاہوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ ایک امیر المومنین معتضد اور دوسرے سلطانِ مصر۔ اگر آپ مکے تشریف لے گئے تو مصر کا سلطان دمشق پر چڑھائی کر دے گا۔ اور اگر معتضد نے سُنا کہ آپ دمشق سے باہر گئے ہوئے ہیں تو ولایت کا عہدہ کسی اور شخص کے حوالے کر دے گا۔"

طمغاج خاں کو یہ رائے بہت پسند آئی اور اُس نے حج کا ارادہ فسخ کر دیا۔

---

(۳) حکایت شکست میں فتح

غاقان مفلحی اپنے عہد کے نام ور جنگ آزماؤں میں سے تھا۔ جس وقت ابوالجیش بن احمد طولون اور افشین میں جنگ ہوئی تو خاقان نے افشین کا ساتھ دیا اور ابوالجیش کے مقابلے میں صف آرا ہو گیا۔

اس جنگ میں ابوالجیش کی فوج نے افشین اور خاقان کی فوج کو شکست دی اور وہ بھاگ نکلی۔ ابوالجیش کی فوج نے اس کا تعاقب کیا اور سب کی سب میدان سے چلی گئی۔ صرف ابوالجیش تیس سواروں کے ساتھ اپنے نشان کے نیچے کھڑا رہا۔ حسنِ اتفاق سے اس کے حریفوں کو اس کی تنہائی کا حال معلوم نہ ہوا اور خاقان نے اس کے پاس آدمی بھیج کر امان مانگی۔ خاقان اس وقت پانسو سواروں کے ساتھ ایک دور افتادہ گوشے میں کھڑا تھا۔

اِدھر ابوالجیش جو اپنی فوج کے چلے جانے کی وجہ سے دشمنوں کے رحم پر تھا۔ امان چاہنے کی غرض سے اپنی انگوٹھی اُتار کر خاقان کے پاس بھجوانا چاہتا تھا کہ اتنے میں اُس کے ایک مصاحب نے (جس کا نام شمشیر تھا) عرض کی۔

"اسیر کا مفلحی کے پاس انگوٹھی بھجوانا غلطی ہے۔"

ابوالجیش نے پُوچھا "کیوں؟"

شمشیر نے جواب دیا "وہ آپ کی انگوٹھی لے کر اپنی ہزیمت خوردہ فوج کو دکھائے گا۔ اور کہے گا کہ میں نے ابوالجیش کو قتل کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اُس کی فوج کا دل بڑھ جائے گا اور حضور کے سپاہیوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔"

ابوالجیش نے پُوچھا "پھر کیا تدبیر کی جائے؟"

شمشیر نے جواب دیا "میں اور وہ بہت پُرانے دوست ہیں۔ میں اُسے بُلا کر لاتا ہوں۔"

ابوالجیش نے کہا "اچھا جاؤ!"

شمشیر بھاگا ہوا خاقان کے پاس پہنچا اور دور سے چلّایا کہ "جلدی سے اپنے لشکر کو یہاں سے ہٹا دو، ان سواروں کو حکم دو کہ پیادہ ہو جائیں اور تم میرے ساتھ ابوالجیش کے پاس چلو۔"

یہ سُن کر خاقان نے اپنے لشکر کو دور بھیج دیا اور خود تنہا اس کے ساتھ ابوالجیش کی لشکر گاہ میں پہنچا۔ شمشیر پہلے ہی ابوالجیش کو اطلاع بھجوا چکا تھا کہ "میں خاقان کو ساتھ لے کر آ رہا ہوں۔ اس کے لیے ایک خیمے کا انتظام کرا دیجیے گا۔" شمشیر کہتا ہے کہ "جب سارا معاملہ بڑی خوبی سے طے ہو گیا تو ابوالجیش نے میرا ہاتھ پکڑ کر اس گرم جوشی اور خوشی سے دابا کہ میری انگلیاں بے کار ہو گئیں۔ پھر بولا "تیری یہ رائے نہایت اچھی اور حیرت انگیز تھی"۔

میں اپنا ہاتھ دبانے میں مصروف تھا کہ اس نے کہا "اگر میری جگہ میرا باپ احمد طولون ہوتا تو تیری اس رائے کی خوبی کے سبب سے تجھے قتل کر دیتا۔ کیوں کہ اس کی عادت یہی تھی"۔

میں نے یہ سُنا تو توبہ کی کہ آیندہ کبھی اسے کوئی رائے نہ دوں گا۔"

---

(۴۲) حکایت۔ قیصرِ روم اور اس کے مشیر

جب عبدالملک بن مروان نے مصعب بن زبیر سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو قیصرِ روم کے درباریوں نے اسے مشورہ دیا کہ اس سے بہتر موقع

ہاتھ نہ آئے گا۔ بہتر ہو کہ حضور عبدالملک کے مقبوضات پر چڑھائی کر دیں۔ کیوں کہ وہ مصعب سے جنگ کرنے میں مصروف ہو۔ آپ کے مقابلے میں نہ آسکے گا۔"

قیصر نے جواب دیا "تمھاری یہ رائے غلط ہو۔ عبدالملک کے مقبوضات کو چھیڑنا مصلحت کے خلاف ہو۔ اگر تم نہیں سمجھے تو میں تمھیں سمجھاتا ہوں۔"

چناں چہ قیصر کے حکم سے دو کتے لائے گئے اور تھوڑا سا گوشت اُن کے آگے ڈال دیا گیا۔ گوشت کی خاطر کتے آپس میں لڑنے لگے۔ اب قیصر نے حکم دیا کہ "ایک لومڑی لاؤ"۔ چناں چہ ایک لومڑی لائی گئی اور اسے کتوں کے قریب چھوڑ دیا گیا۔ کتوں نے لومڑی کو دیکھا تو اپنی لڑائی بھول گئے اور دونوں مل کر لومڑی پر جھپٹے اور دیکھتے دیکھتے انھوں نے لومڑی کے ٹکڑے کر دیے۔"

قیصر بولا "میری اور ان کی جنگ کا یہی حال ہوگا۔ اگر میں نے عبدالملک کی سلطنت پر حملہ کیا تو وہ دونوں آپس میں صلح کر لیں گے، اور اکٹھے ہو کر میرے مقابلے میں ڈٹ جائیں گے۔ اور تم جانتے ہو کہ ہم میں دونوں کے مقابلے کی طاقت نہیں ہو۔"

یہ سن کر درباریوں نے قیصر کی رائے کو سراہا اور اسے آفریں کہی۔

---

(۵) حکایت۔ مامون اور ایک وفادار امیر

عبداللہ بن طاہر نے مصر میں اچھی طرح قدم جما لیے تو اس کے دشمنوں نے مامون کو بھڑکایا کہ وہ مصر کی بادشاہت کا دعویٰ کرتا ہو اور امیرالمومنین کی خلافت سے منکر ہو۔

یہ سُن کر مامون نے اُسے آزمانا چاہا۔ سوچا کہ اگر کسی قاصد کے ذریعے یک بہ یک بُلایا گیا تو اُسے شبہ ہو جائے گا اور آنے سے انکار کرنے کے سوا اس کے لیے کوئی صورت نہ رہے گی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ بات بگڑ جائے گی۔ آخر اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے سے طے پایا کہ ایک شخص کو مصر بھیجا جائے اور یہ شخص وہاں جا کر قاسم بن علی کی بیعت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ نیز خفیہ طور پر عبداللہ سے ملاقات کر کے معلوم کرے کہ عبداللہ اس کی بیعت کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اور یہ ظاہر نہ کرے کہ اسے دربارِ خلافت سے بھیجا گیا ہے۔

چناں چہ ایک شخص کو مصر روانہ کیا گیا۔ اُس نے وہاں پہنچ کر مصریوں میں قاسم بن علی کی بیعت کی دعوت شروع کر دی۔ بعض لوگ بیعت کرنے پر آمادہ ہو گئے تو اس نے ٹال دیا۔ آخر جب اس بیعت کی کافی شہرت ہو گئی تو ایک دن وہ عبداللہ کے پاس پہنچا اور اُس سے خلوت میں ملاقات کرنے کی درخواست کی۔ یہ درخواست قبول ہوئی وہ اور عبداللہ تخلیے میں ملے تو اُس نے عرض کی " امیر کو معلوم ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے بعد علی سے زیادہ بڑا کوئی آدمی نہیں ہوا اور آج بھی اُن کے فرزندوں کو بہت بڑا مرتبہ اور فضیلت حاصل ہے۔ چناں چہ صدہا شریفوں اور بزرگوں نے قاسم کی بیعت قبول کر لی ہے۔ اگر امیر بھی انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے قاسم کی خلافت پر راضی ہو جائیں اور ان کی بیعت کر لیں تو خوب ہو۔ قیامت تک کے لیے نام ہو جائے گا۔"

عبداللہ طاہر نے یہ باتیں سُن کر جواب دیا کہ " خُدا نے اپنی نعمتوں کا شکر اپنے بندوں کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔ امیرالمومنین نے مجھے نعمتوں سے

اس قدر مالا مال کیا ہی کہ شاید ہی کسی شخص کو کیا ہوگا۔ میرا بال بال اُن کے احسانات سے جکڑا ہوا ہی اور اُن کا شکر مجھ پر لازم ہی۔ میں کسی طرح برداشت نہیں کرسکتا کہ اُن کے خلاف کوئی حرکت کروں۔ تاہم بے شک بہت بزرگ شخص ہی۔ اس لیے میں اس کے قاصد کے یہاں آنے اور اس کی بیعت کی دعوت دینے کا حال امیرالمومنین کے کانوں تک نہ پہنچاؤں گا۔ لیکن مجھے خوف ہی کہ وقائع نگار لکھ بھیجے گا۔ ایسا ہوا تو سمجھ لو کہ میرے نام تمھاری گرفتاری کا حکم آئے گا۔ اور میں یقیناً تمھیں گرفتار کرکے امیرالمومنین کے پاس بھجوا دوں گا۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم قتل کردیے جاؤگے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم مصیبت میں اور مخلوق آفت میں مبتلا ہو۔ ورنہ میں تمھاری آج کی گفتگو سن کر ہی تمھیں گرفتار کرکے دارالخلافے بھجوا دیتا۔ اب تمھارے حق میں یہی بہتر ہی کہ مصر سے چلتے پھرتے نظر آؤ۔ تمھارے زادِ سفر کے لیے میں نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا ہی، وہ خزانے سے دلوا دیں گے۔ آخر میں ایک بات اور سن لو کہ اگر آج کے بعد تم مصر میں نظر آئے تو تمھارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔"

یہ صاف جواب سن کر اس شخص نے اسی روز مصر کو خیرباد کہا اور بغداد پہنچ کر مامون کی خدمت میں سارا واقعہ کہہ سنایا۔ مامون نے کہا "میرے لگائے ہوئے درخت کا پھل ایسا ہی ہونا چاہیے۔ طاہر کی پرورش میں نے کی ہی۔ اس لیے میری تربیت کا یہ اثر ہونا لازمی ہی۔"

---

(۹۱) حکایت۔ ہر دل عزیزی کا ذریعہ

عبدالملک بن مروان چاہتا تھا کہ اپنے فرزند کو کسی صوبے کا والی

بنا کر بھیجے "تاکہ اس کو حکومت کا تجربہ ہو جائے۔ اُس نے ربیعہ سے مشورہ کیا کہ کون سی ولایت اُس کے حوالے کی جائے ؟

ربیعہ نے جواب دیا " اگر امیر المومنین چاہتے ہیں کہ ولی عہدِ خلافت نیک نامی حاصل کریں اور رعایا کے دلوں میں اُن کی جگہ ہو تو میرے نزدیک مناسب یہ ہو کہ کسی جگہ کا والی بنانے کی جگہ، مالِ غنیمت اور انعامات و صدقات کی تقسیم کا کام اُن کے سپرد کر دیا جائے تاکہ رعایا اُن سے محبّت کرنے لگے۔ ولایت کا سلسلہ ایسا ہو کہ اس میں ہر وقت حاصل و محصول کی رقمیں وصول کرنی پڑتی ہیں اور بیت المال کی آمدنی کا لحاظ رکھنا پڑتا ہو۔ اس صورتِ حال کی موجودگی میں اگر انھوں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں احتیاط برتی تو لوگ انھیں ظالم و جابر کہیں گے اور اگر انھوں نے نرمی اور رعایت کی تو کم زور اور نالائق حاکم کا خطاب پائیں گے "۔

عبد الملک نے یہ رائے بہت پسند کی اور خیرات کے محکمے کا کام اپنے فرزند کے حوالے کر دیا۔ چناں چہ اس محکمے کی وجہ سے اس نے اتنی نیک نامی اور عزّت حاصل کی کہ عرب کے سردار مروّت اور بخشش کے لحاظ سے اس کا نام مثال کے طور پر پیش کرتے تھے۔

---

(۷) حکایت ۔ غدّاری کے عوض نیکی

جب عمرو بن لیث اور اسمٰعیل بن احمد میں جنگ چھڑی تو اسمٰعیل کے سرداروں اور امیروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمیں عمرو بن لیث سے مل جانا چاہیے۔ کیوں کہ وہ بہت عقل مند اور طاقت ور بادشاہ ہو۔

چناں چہ رات کے سناٹے میں سب کے سب دوبارہ جمع ہوئے اور عمرو
بن لیث کے نام سب نے الگ الگ خط لکھے۔ ان خطوں کا مضمون تقریباً
ایک تھا اور وہ یہ کہ "ہم دل وجان سے آپ کے ساتھ ہیں۔ اور موقع کے منتظر
ازراہِ کرم ہم کو امان دی جائے۔"

عمرو بن لیث نے سب کو امان دی اور راتوں رات فریقین میں باہمی
معاہدہ ہو گیا۔ چناں چہ دوسرے دن جب جنگ شروع ہوئی تو یہ تمام
غدار صرف دکھاوے کے لیے اسمٰعیل کے ساتھ میدان میں آئے اور باطن
میں اُس کی شکست کا انتظار کرنے لگے۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ میدان اسمٰعیل
کے ہاتھ رہا اور عمرو بن لیث شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ اسمٰعیل کے لشکر نے
جب دشمن کے خزانے پر قبضہ کیا تو اس میں سے وہ تمام خطوط بھی برآمد ہوئے
جو اسمٰعیل کے سرداروں نے عمرو بن لیث کے نام بھیجے تھے۔ جب اسمٰعیل
کو ان کے مضمون کی اطلاع ہوئی تو اُس نے تمام خطوط کو پڑھنا چاہا۔ مگر اس
کی فطرتی نیکی اور سیاسی مصلحت نے اُسے روکا۔ دل میں سوچا کہ "اگر میں نے
یہ خطوط پڑھ لیے تو مجھے اپنے امیروں اور فوجی سرداروں پر غصہ آئے گا۔
اور یہ لوگ بھی مجھ سے ڈرنے لگیں گے۔ اس صورت میں اپنی جان کے
خوف سے میری جان لینے کی فکر کریں گے اور اس سے طرح طرح کے فتنے
پیدا ہوں گے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ "بادشاہوں کی طاقت لشکر کے سبب
سے ہوتی ہے۔ لشکر بدل جائے تو بادشاہ کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔"

یہ سوچ کر اُس نے اسی وقت اپنے مصاحبوں کو بلوایا۔ ساتھ ہی
وہ خطوط منگوائے۔ خطوط کے بستے پر عمرو بن لیث کی مہر لگی ہوئی تھی۔
یہ مہر اُس نے اپنے مصاحبوں کو دکھائی اور اُن کو بتایا کہ " دیکھو اس

خریطے میں وہ خطوط ہیں جو ہمارے لشکر کے سرداروں نے عمرو بن لیث کو لکھے تھے اور ہم سے غدّاری کرکے اس کی دوستی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ میری گردن پر دس پا پیادہ جحوں کا بار ہو اگر مجھے زرا بھی علم ہو کہ ان خطوں میں کیا لکھا ہے اور کون سا خط کس کا ہے"؟

یہ کہہ کر اُس نے آگ جلوائی اور سب کے سامنے اُن خطوں کو جلا دیا۔

اسمٰعیل کی یہ عالی ہمتی دیکھ کر اُس کے سردار دل وجان سے اس کے تابع دار ہو گئے اور اس احسان کو کبھی نہ بھولے۔

---

(۸) حکایت سبکتگین اور ایک سیاسی چال

اُس زمانے کا ذکر ہے جب امیر عادل سبکتگین رحمتہ اللہ اور ابو علی سیمجور کے درمیان جنگ ہونے والی تھی۔ امیر عادل کے لشکر میں ابو الفضل نامی ایک شخص تھا جو ابو علی کا طرف دار اور اُس کا جاسوس تھا۔ اور سبکتگین کے لشکر کی ہر ایک نقل وحرکت کا حال لکھ کر ابو علی کو بھیج دیتا تھا۔

سبکتگین کو بارہا اس کی حرکتوں کی اطلاع دی گئی مگر اس نے پروا نہ کی۔ جب مقابلے کا دن قریب آگیا تو سبکتگین نے ابو الفضل کو بُلایا۔ بڑی شفقت کے انداز میں اپنے پاس بٹھا کر کوئی کام اُس کے سپرد کر دیا۔ اور خود اپنے فوجی سرداروں سے مخاطب ہو کر بولا "ابو علی کے مصاحب اور امیر ہمارے ساتھ ہیں۔ تقریباً سب نے مجھے خطوط لکھے ہیں اور قسمیہ وعدے کیے ہیں کہ جیسے ہی ہماری اور اُن کی فوجیں میدان میں آمنے سامنے آئیں ویسے ہی وہ ابو علی پر ٹوٹ پڑیں گے اور اُسے باندھ کر میرے پاس لے آئیں گے۔

بنابریں آپ لوگوں کو جنگ کے نتیجے کے متعلق اطمینان رکھنا چاہیے اور جی کھول کر دادِ شجاعت دینی چاہیے۔ کیوں کہ ہمارا ذرا نقصان نہ ہوگا۔"

ابوالفضل نے یہ بات سُنی تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ دربار کے کام سے فارغ ہوکر بھاگا ہوا اپنی قیام گاہ پر پہنچا اور فوراً اس واقعے کی اطلاع ابو علی کو بھجوائی۔ ابو علی کو یہ خبر پہنچی تو زمین اس کے پیروں تلے سے نکل گئی۔ مقابلہ کرنا بے سود نظر آیا۔ اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا۔ یہ دیکھ کر سبکتگین نے اس کا تعاقب کیا اور ابو علی کی بھاگتی ہوئی فوج کے بہت بڑے حصے کا صفایا کر ڈالا۔

اس خردمندانہ چال کا نتیجہ یہ نکلا کہ سبکتگین اور محمود کو ایک قطرہ خون بہائے بغیر اتنی بڑی فتح حاصل ہوگئی۔

---

(۹) حکایت۔ محمود اور فراری غلام

ایک مرتبہ یمین الدولہ (محمود) کے غلاموں نے سازش کی کہ اس کے محل سے نکل بھاگیں۔ چناں چہ آدھی رات کو گھوڑے کھول کر سیستان کی طرف فرار ہوگئے اور وہاں کے حاکم خلف سے جا ملے۔ خلف بہت مکّار اور چالاک شخص تھا اور یہ مفرور غلام سُلطان کے بہت سے رازوں سے واقف تھے۔ اس لیے سلطان کو فکر ہوئی کہ دونوں مل کر کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دیں۔ آخر بہت سوچنے کے بعد اس نے اپنے ایک معتبر غلام کو بُلایا اور بہت بڑے انعام کا لالچ دے کر اُس سے کہا کہ "اُن غلاموں کے پاس سیستان جا اور یہ ظاہر کر کہ تو بھی بھاگ کر آیا ہو پھر اُن غلاموں کو بے شمار مال و دولت کا لالچ دے کر

آپس میں قسمیہ وعدہ کرو کہ سب مل کر خلف کو قتل کردیں۔ اس تدبیر کے دو نتیجے نکل سکتے ہیں اور دونوں ہمارے لیے مفید ہیں۔ اگر ان غلاموں نے تیرے کہنے میں آکر خلف کو قتل کر دیا تو ہمارا ایک بہت بڑا دشمن ختم ہو جائے گا اور اگر خلف کے کان میں اس سازش کی بھنک پڑ گئی تو وہ ان غلاموں کا صفایا کر دے گا۔ اور ہمیں اُن کی فکر سے نجات مل جائے گی۔"

غلام فراری کے انداز میں سیستان پہنچا۔ چند روز تک خلف کی خدمت میں رہا اور جوڑ توڑ کر کے اُن غلاموں کو شیشے میں اُتارنے میں کام یاب ہو گیا۔ امارت اور دولت کے ایسے سبز باغ دکھائے کہ سب کے سب خلف کے قتل پر متفق ہو گئے۔ لیکن چوں کہ ناتجربے کار تھے سازش کا راز چھپا نہ سکے امیر خلف کو اطلاع مل گئی اور اس نے سب کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔

---

(۱۰) حکایت۔ ایک ظالم امیر اور غریب کسان

امیر المومنین مامون کی طرف سے علی بن عیسیٰ ماہان خراسان کا امیر تھا۔ یہ شخص بڑا ظالم تھا اور رعایا کو زبردستی لوٹتا کھسوٹتا رہتا تھا۔

ایک مرتبہ اس نے ایک کسان ہشام نامی کا اسباب اور رُوپیہ چھیننا چاہا خوش قسمتی سے کسان کو وقت سے پہلے اطلاع ہو گئی۔ بہت حیران و پریشان ہوا۔ ایک عالم سے مشورہ کیا کہ "کوئی تدبیر ایسی بتائیے کہ علی بن عیسیٰ کے ظلم سے بچ جاؤں۔"

عالم نے یہ رائے دی کہ "بیماری کا بہانہ کر کے بستر پر لیٹ جاؤ اور لوگوں پر یہ ظاہر کرو کہ عنقریب مرنے والے ہو۔ ساتھ ہی ضرورت کے

وقت ایسی حالت بنالیا کرو کہ تمھارے اقرار و انکار کی کوئی وقعت نہ ہو"۔

کسان کو مدت تک بستر پر پڑا رہنا پڑا مگر اُس نے اس حیلے سے اپنی جایداد اور نقدی علی بن عیسیٰ کے غاصبانہ پنجے سے بچالی۔ اِدھر علی بن عیسیٰ کا تبادلہ ہُوا اُدھر کسان نے بستر کو خیر باد کہی اور مُردوں کی دُنیا سے نکل کر زندوں کی دُنیا میں آگیا۔

جب مامون کو یہ خبر پہنچی کہ زمین دار ہشام نے اس دل چسپ بہانے سے علی بن عیسیٰ کے مظالم سے نجات پائی تو اُس نے اسی وقت احکام بھجوائے کہ علی بن عیسیٰ کو موقوف کیا جائے اور اس نے جس جس کو لوٹا ہو، اُسے املاک و جایداد ولائی جائے"۔

---

(۱۱) حکایت۔ حسنِ تدبیر

جب یمین الدولہ نے خوارزم پر لشکر کشی کرکے سالیکین کو شکست دی تو عین اُس وقت جب اُس کی فوجیں دشمن کی بھاگتی ہوئی فوجوں کا قلع قمع کرنے میں مصروف تھیں، وہ خود ایک ناگہانی مصیبت میں پھنس گیا۔

واقعہ یہ ہو کہ دشمن کی فوج کا ایک مختصر سا گروہ گھات میں بٹھا دیا گیا تھا۔ مقررہ وقت پر یہ گروہ ایسی جگہ سے ظاہر ہُوا کہ سُلطان اپنے چند غلاموں کے ساتھ گھیرے میں آگیا۔ اُس نے یہ حال دیکھا تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ " افسوس، اتنے بڑے لشکر کو درہم برہم کر دینے کے باوجود میں خود دشمن کے دام میں پھنس گیا"۔

وقت کم تھا اور دشمن کے سپاہی سامنے مگر یمین الدولہ نے ہمت

نہ ہاری۔ فوراً ایک تدبیر سوچی اور اپنے ہتھیار پھینک کر صرف ایک تلوار لیے ہوئے اُن لوگوں کی طرف دوڑا۔ چلّا کر اُن سے کہا کہ "میں سلطان محمود کا قاصد ہوں اور تمھارے پاس ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔"

دشمن کے سپاہیوں نے پوچھا "کیا پیغام لے کر آئے ہو؟"

سُلطان نے جواب دیا "سُلطان نے کہا ہے کہ مجھے تم لوگوں کی عاقبت اندیشی اور احتیاط پسندی سے بہت خوشی ہوئی۔ میں اس خدمت کی قدر کرتا ہوں اور دشمن کی فوج کے خلاف ایسی کارروائی کرنے کے صلے میں تمھیں انعام اور جاگیر بخشنا چاہتا ہوں۔ تمھیں چاہیے کہ کل صبح ہمارے دربار میں حاضر ہو اور خلعت و انعام حاصل کر کے مقررہ عہدوں کے فرائض سنبھالو۔"

یہ سُن کر مخالف سپاہی رام ہو گئے۔ لیکن احتیاط کے خیال سے انھوں نے دریافت کیا کہ ہمارے پاس کوئی نشانی ایسی ہونی چاہیے کہ ہم فوراً پہچان لیے جائیں اور ہمیں سُلطان تک پہنچنے کی اجازت مل جائے۔"

سلطان نے اپنی تلوار اُن کو دے کر کہا کہ "اسے ساتھ لانا اور لشکر گاہ میں پہنچ کر اس کے مالک کو دریافت کرنا۔ ہمارے سپاہی تمھیں مجھ تک پہنچا دیں گے اور میں سلطان سے تمھاری بابت گفتگو کر لوں گا۔"

الغرض دشمنوں کو اس طرح دوست بنا کر اور اپنی جان بچا کر سلطان لشکر گاہ میں پہنچا۔ دوسرے دن جب اس کے یہ نئے دوست اس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُس نے وعدے کے مطابق سب کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

---

(۱۲) حکایت۔ خلیفہ منصور اور والیٔ یمن

معن بن زائدہ بیان کرتا ہے کہ "یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب امیرالمومنین منصور کا دل میری طرف سے صاف ہو چکا تھا اور وہ مجھے عنایت و مہربانی کی نظر سے دیکھنے لگا تھا۔

ایک دن میں اُس کی خدمت میں پہنچا تو اسے غم و غصے کی حالت میں پایا۔ یہ دیکھ کر دوسرے مصاحب ایک ایک کرکے وہاں سے کھسکنے لگے۔ میں بھی اُن کا ساتھ دینا چاہتا تھا کہ منصور نے سر اُٹھا کر کہا "زرا ٹھیرو!"

میں حکم کے مطابق تھوڑی دیر کھڑا رہا۔ اس نے مجھے بُلایا اور بولا "ایک بہت اہم معاملہ درپیش ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم سے مشورہ لوں، دیکھیں تم کیا کہتے ہو۔"

میں نے جواب دیا "امیرالمومنین معاملے کی تفصیل بیان فرمائیں، اپنی ناچیز عقل کے مطابق مشورہ پیش کروں گا۔"

اس پر منصور نے کہا "بات یہ ہے کہ یمن کے والی کے طرزِ عمل سے سرکشی اور بغاوت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اُسے گرفتار کرلیا جائے مگر اس کے قبضے میں جو مال ہے وہ ضائع نہ ہونے پائے۔

میں نے عرض کی "امیرالمومنین، یہ تو بہت آسان کام ہے۔ میں ایسی تدبیر کروں گا کہ "مال ذرّہ بھر ضائع نہ ہو۔ بلکہ سب کا سب آپ کے خزانے میں پہنچ جائے۔"

یہ بات سُنی تو منصور کی پریشانی جاتی رہی اور اُس کا چہرہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

یہ دیکھ کر یمن نے عرض کی "امیرالمومنین، ربیع حاجب کو حکم دیں کہ مجھے گرفتار کر کے قیدخانے پہنچا دے۔ بعد ازاں مجھے والیٔ یمن کے فرزند کے حوالے کر کے اُسے ہدایت کی جائے کہ وہ مجھے اپنے باپ کے پاس بھجوا دے اور اُسے خط لکھ دے کہ مجھے دربارِ خلافت کی طرف سے یمن میں (شہر بند) نظر بند رکھا جائے۔ ساتھ ہی والی کی موقوفی اور گرفتاری کا پروانہ جس پر حضور کے دستخط ہوں میرے حوالے کر دیا جائے۔"

منصور نے اس کے کہنے کے مطابق تمام انتظام کرا دیا۔ جب معن کو والیٔ یمن کے فرزند کے حوالے کیا گیا تو اُس نے معن سے معذرت کی کہ "کچھ اور خیال نہ کیجیے گا۔ آپ صرف چند روز کے لیے اپنے بھائی کے پاس مہمان کی حیثیت سے جا رہے ہیں ————"

الغرض جب معن یمن پہنچا تو والی نے اُس کی بہت خاطر تواضع کی۔ معن بہ ظاہر شہر بند تھا مگر اندرونی طور پر سرکاری مال کی جانچ پڑتال کر رہا تھا اور موقعے کا منتظر تھا۔ آخر ایک رات وہ یکایک آ دھمکا اور دربارِ خلافت کا پروانہ دکھا کر اُس نے والی کو گرفتار کر لیا۔ علی الصباح یمن پر قبضہ ہو گیا اور سرکاری مال کا ایک حبّہ تک ضائع نہ ہونے پایا۔

منصور نے اس کی یہ تدبیر بہت پسند کی اور اسے یمن کا والی بنا دیا۔ چناں چہ مدت تک وہ والی کے فرائض انجام دیتا رہا۔

---

(۱۳) حکایت ۔ دربان کا مشورہ

حامد بن عباس کہتا ہو کہ مصیبت کی حالت میں اکثر چھوٹے درجے کے دوستوں سے اتنا فائدہ پہنچ جاتا ہو کہ بڑے بڑے لوگوں سے اُمید نہیں ہوتی۔ اس کی ایک مثال یہ ہو کہ جب اسمٰعیل بلبل نے مجھے قید خانے بھیج دیا تو میری نگرانی کا فرض ایک پُرانے دربان کے سپرد کیا۔ یہ دربان بہت عقل مند اور "آزاد مرد" واقع ہوا تھا۔ بوڑھا آدمی تھا۔ جہاں دیدہ اور گرم و سردِ زمانہ چشیدہ۔ اس لیے میں اُس کی بہت عزّت اور خاطر کیا کرتا تھا۔

ایک رات بوڑھا دربان میرے پاس آیا اور کہنے لگا "آپ کے ذمّے جو مال بقایا ہو اس کے سلسلے میں بہت سختی کی جا رہی ہو۔ کل شاید وزیر آپ کو بُلائے بھی۔ اس لیے جواب سوچ رکھیے تو بہتر ہوگا۔"

یہ سُن کر میں بہت چکرایا۔ گھبرا کر دربان سے کہا کہ "میرا دماغ پریشان ہو اور صحیح طور پر سوچنے سے معذور۔ کچھ تمھیں بتاؤ کہ مجھے کیا کہنا چاہیے؟ تمھارا مشورہ میرے لیے بہت مفید رہے گا۔"

دربان بولا "میری سمجھ میں تو یہ بات آتی ہو کہ آپ کسی لالچی، خود غرض اور کنجوس سوداگر کے نام ایک رقعہ لکھیں اور اُس میں اپنی قید، مفلسی اور بے کسی کا حال بیان کر کے اپنی بیوی بچوں کے گزارے کے لیے ایک ہزار درم قرض مانگیں۔ آخر میں یہ لکھ دیں کہ اس رقعے کا جواب اسی رقعے کی پُشت پر لکھ دیا جائے۔ مجھے یقین ہو کہ سوداگر روپیہ دینے میں ٹال مٹول کرے گا اور کوئی نہ کوئی حیلہ تراش لے گا۔ بہرحال جس وقت وزیر آپ سے بقایا مال کا مطالبہ کرے تو آپ اپنے بیوی بچوں کی محتاجانہ حالت

اور پیسے کی ضرورت بیان کریں۔ ساتھ ہی سوداگر کے نام اپنا رقعہ اور اُس کی پُشت پر اُس کا جواب وزیر کو دکھا دیں۔ ممکن ہے اُسے رحم آجائے اور آپ کے بُرے دن ختم ہو جائیں۔"

دربان کے مشورے کے مطابق میں نے سوداگر کے نام رقعہ لکھوا کر بھجوا دیا اور اُس کا جواب بھی مرضی کے مطابق پالیا۔

چناں چہ دوسرے روز جب وزیر نے مجھے بُلا کر بقایا مال کا مطالبہ کیا اور بڑی سختی سے طرح طرح کی دھمکیاں دے چکا تو میں نے پہلے تو اپنے بیوی بچوں کی مفلسی اور بدحالی کا حال سُنایا۔ پھر سوداگر کا رقعہ نکال کر اُسے دکھایا۔

وزیر پر اس رُقعے نے جادو کا سا اثر کیا۔ اُسے پڑھ کر وہ رحم کا پُتلا بن گیا اور انتہائی ہمدردی سے بولا "میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تمھاری حالت یہ ہے۔ خیر اب تمھارا انتظام کر دیا جائے گا۔"

القصہ اُس عقل مند دربان کی نصیحت مفید ثابت ہوئی اور میں نے قید خانے سے نجات پائی۔

عبداللہ بن سلیمان بن وہب کی وزارت ختم ہونے پر میں وزیر بنا تو میں نے اُس دربان کو بلایا اور اپنے پاس رکھ لیا۔ داد و دہش اور انعام و اکرام کے علاوہ میں نے اس کا ایسا انتظام کر دیا کہ باقی عمر اُس نے بہت خوشی اور آرام سے بسر کی۔

(۱۴) حکایت

معزالدولہ کی دانائی اور دیلمی سپاہیوں کی بے وفائی

جس زمانے میں معزالدولہ احمد نے بغداد کی امارت سنبھالی اور رعایا نے اس کی اطاعت قبول کی۔ اُس زمانے میں اُس کی طرف سے ولایتِ اہواز کا امیر ایک اہوازی امیرزادہ اور دیلمی امیر روز بہان نامی تھا۔ اہواز کی امارت اور دیلمی شان وشوکت نے اُسے مغرور کر دیا اور وہ اپنے آپ کو معزالدولہ سے بڑھ کر امارت کا مستحق سمجھنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس غرور نے اُسے بغاوت اور سرکشی پر آمادہ کر دیا اور وہ پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ شہر کے دروازے پر آدھمکا۔

معزالدولہ کے تمام خزینے اور دفینے اس زمانے میں شہر بشیر میں تھے۔ وہ ڈرا کہ ایسا نہ ہو روز بہان اُن پر قبضہ کر لے۔ اُس نے امیرالمومنین مطیع سے عرض کی کہ "بہتر یہ ہے امیرالمومنین بہ ذاتِ خود میدان میں تشریف لے چلیں اور اس فتنے کی روک تھام کریں۔ ایسا نہ ہو یہ چنگاری بڑھ کر شعلۂ جوالہ بن جائے اور دُنیا کو جلا ڈالے۔"

امیرالمومنین نے جواب دیا "خلفا کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ بہ ذاتِ خود جنگ میں حصّہ لیں۔"

جب معزالدولہ احمد نے دیکھا کہ خلیفہ میدانِ جنگ میں جانے سے ہچکچاتا ہے تو خود بغداد کی سپہ سالاری کا عہدہ سنبھالا اور لشکر جمع کرنا شروع کر دیا۔ اس کے لشکر کی تعداد سات ہزار تھی۔ جو تُرک اور دیلمی سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ دیلمیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اب اُس نے سوچا کہ اگر میں روزبہان

کے مقابلے کے لیے چلا گیا اور بحرین کی طرف سے قرمطیوں نے چڑھائی کردی تو بُرا ہوگا۔ یہ سوچ کر اُس نے بحرین کے عربوں کو ایک لاکھ دینار بھجوائے کہ وہ خاموش رہیں۔ اسی طرح ایک لاکھ دینار صحرا کے عربوں کو بھجوا کر اُن سے پانچ ہزار عرب سواروں کا مطالبہ کیا۔ صحرا کے عرب منتشر ہو چکے تھے۔ اس لیے صرف دو ہزار سوار میسر آسکے۔

الغرض ان سب کو اپنی فوج کے ساتھ جمع کر کے معزالدولہ نے ایک بہت بڑا جشن ترتیب دیا جس میں دیلمی امیروں کی دل جوئی کی خاص طور پر کوشش کی۔ اور ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کر کے روزبہان کے بارے میں اُن کا ارادہ معلوم کرنا چاہا۔ چناں چہ اُن کو مخاطب کر کے دریافت کیا کہ "روزبہان کے مقابلے میں آپ لوگ میرا ساتھ دیں گے یا نہیں"؟

یہ سُن کر سب نے سر جھکا لیا۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا اور بہت دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ آخر اُن میں سے ایک نے کھڑے ہو کر عرض کی۔ "یا امیر میں ان سب لوگوں کی زبان کی حیثیت رکھتا ہوں۔ اور جو کچھ کہہ رہا ہوں ان کی زبان سے کہہ رہا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم پر امیر کی نعمتوں کے بے شمار حقوق ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح رہے کہ روزبہان ہمارا امیر زادہ ہے اور ہم کسی حالت میں اُس کے خلاف تلوار نہیں اُٹھا سکتے۔ اس صورتِ حالات میں ہمارے لیے صرف ایک چارۂ کار رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نہ اُس کی مدد کریں نہ امیر کا ساتھ دیں صرف دور سے انتظار کرتے رہیں کہ خُدا کس کو فتح دیتا ہے؟ اور بعد ازاں فاتح کی اطاعت قبول کرلیں۔"

معزالدولہ کو اس فیصلے پر بہت حیرت اور پریشانی ہوئی۔ مجبور ہو کر اُس نے اپنے بھتیجے عضد الدولہ فنا خسرو کو (جو فارس کا امیر تھا) خط لکھا کہ "فوراً

پانچ ہزار سوار بھیجو۔

روزبہان کو اس خط کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے بھائی بندار کو (جو فارس کے کسی شہر کا امیر تھا) خط لکھا کہ عضد الدولہ سے بغاوت کر دے۔ اس نے تعمیل کی اور عضد الدولہ اس کی سرکوبی میں ایسا اُلجھا کہ چچا کو فوجی امداد نہ بھجوا سکا۔ اس نے یہ تمام حالات لکھ کر بھیجے تو معز الدولہ حیران رہ گیا۔ مگر مضبوط ارادے اور قوی حوصلے کا آدمی تھا۔ اس لیے ہمت نہ ہاری اور اُسی وقت اپنے فرزند بختیار کو خط لکھا کہ "امیر المومنین کی خدمت میں عرض کرو کہ وہ بغداد سے تشریف لے آئیں"۔

بختیار نے باپ کا خط خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیا اور وہ بادلِ ناخواستہ بغداد چھوڑ کر معز الدولہ کے پاس واسط آ پہنچا۔ معز الدولہ نے جب قریب سے خلیفہ کی بے دلی دیکھی تو سوچا کہ اگر اس کی نارضامندی کا یہی عالم رہا تو روزبہان کا مقابلہ درکنار اپنی فوج کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔

یہ سوچ کر اُس نے خلیفہ سے کہا "یا امیر المومنین، میں نے یہ گستاخی اس لیے کی تھی کہ قرمطیوں کی ایک بڑی جماعت نے بحرین سے نکل کر باہر پڑاؤ ڈال رکھا ہے۔ میں نے یہ سوچا کہ ایسا نہ ہو میں روزبہان کے مقابلے کے لیے جاؤں اور قرمطی بغداد میں داخل ہو کر فساد پھیلائیں۔ اب اگر آپ کی مرضی نہیں تو بہتر ہے کہ حضور بصرے تشریف لے جائیں۔ اور جب تک کہ میں اس مہم سے فارغ ہو کر نہ لوٹوں آپ وہیں قیام فرمائیں"۔

خلیفہ کو یہ مشورہ مناسب معلوم ہوا۔ چناں وہ واسط سے بصرے کی طرف اور معز الدولہ اہواز کی طرف روانہ ہوئے۔

روز بہان کو جب اس کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ بشیر سے صرف تین چار منزل پیچھے تھا۔ کچھ سوچ کر وہاں سے ہٹ گیا اور بہرام ہرمز میں چھاؤنی ڈال دی۔ معزالدولہ کو اُس کی مقام کی تبدیلی کا علم ہوا تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو بشیر پہنچا اور وہاں سے تمام خزانے نکال لایا۔ اس غیر متوقع کامیابی پر اُس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ہزاروں روپے خیرات اور صدقے کے طور پر محتاجوں میں تقسیم کیے اور اس واقعے کو نیک فال سمجھا۔

اب اُس نے بہرام ہرمز کا رُخ کیا اور دو منزل چل کر دیلمیوں سے بولا "تم میرا ساتھ دینا نہیں چاہتے اس لیے یہیں ٹھیر جاؤ۔ میرے ساتھ آنے کی ضرورت نہیں"۔

دیلمی سپاہیوں نے جواب دیا "تابع دار ہیں"۔

چناں چہ پانچ ہزار سپاہیوں کو وہیں چھوڑ کر دوسرے دن اُس نے کوچ کیا۔ اگلی منزل پر پہنچ کر اُس نے عرب سواروں کو بُلا کر کہا "تم نے بہت مہربانی کی کہ میری درخواست پر چلے آئے۔ چوں کہ تم ایک لحاظ سے میرے مزدور ہو اس لیے تمھیں میرے حکم پر چلنا چاہیے۔

عرب سواروں نے جواب دیا "ہمارے کان امیر کے حُکم پر اور ہماری آنکھیں امیر کے اشارے پر لگی ہوئی ہیں۔ ہم دل وجان سے خدمت کے لیے حاضر ہیں"۔

معزالدولہ نے کہا "میں اس وقت دو دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں اور ان دونوں میں زیادہ خطرناک دشمن وہ ہیں جن کو پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ تم یہیں ٹھیر جاؤ اور خیال رکھو کہ وہ کوئی فتنہ نہ اُٹھا سکیں۔ مثلاً بہت ممکن ہے کہ وہ میرا تعاقب کریں۔ ایسا ہو تو تم اُن کو یہیں

روکو اور اُن کا مقابلہ کرو۔ میں اپنے ان سات سو غلاموں کے ساتھ جاکر دشمن کا مقابلہ کرتا ہوں۔"

عربوں نے جواب دیا "ہم یہ کبھی گوارا نہ کریں گے کہ آپ صرف سات سو سواروں کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں جائیں۔ حالاں کہ اُن کی تعداد پندرہ ہزار ہے۔"

معزالدولہ نے جواب دیا۔ "جس فوج کو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں، وہ میری فوج کی تعداد سے واقف ہے۔ لیکن جس فوج کا مقابلہ کرنا ہے اُن کو میری کم زوری اور فوجی کمی کا علم نہیں ہے اور اگر میں اچانک اُن پر جا پڑا تو وہ میری مختصر سی جماعت کو دیکھ کر ڈریں گے کہ شاید میں نے مکر کیا ہے اور بڑی فوج کو گھات میں بٹھا رکھا ہے۔ بہرحال کچھ بھی ہو تمھیں میرا حکم ماننا چاہیے۔"

عربوں نے جواب میں کہا "جیسے امیر کی مرضی ہو۔"

چناں چہ یہ دو ہزار عرب سوار بھی دیلمیوں کا راستہ روکنے کی غرض سے وہیں رُک گئے۔ اور معزالدولہ اپنے غلاموں کے ساتھ آگے بڑھا۔ دشمن کی فوجوں کے قریب پہنچ کر اُس نے اپنے دو سو غلاموں کو لشکر کے میمنے میں متقرر کیا۔ اور دو سو کو حکم دیا کہ وہ منتظر رہیں اور ضرورت کے وقت میمنے کو کمک پہنچائیں۔ دوسرے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ میسرے کی مدد کریں اور خود ایک سو ترک غلاموں اور ہزار سواروں کے ساتھ قلب سے حملہ آور ہوا۔

جب دونوں لشکروں کو آپس میں گتھے ہوئے دیر ہوگئی تو معزالدولہ نے حکم دیا کہ "جو سپاہی منتظر ہیں۔ اب وہ بھی شریک ہو جائیں اور سب مل کر پوری طاقت سے حملہ کریں۔"

چناں چہ سب نے اس جوش و خروش سے حملہ کیا کہ زمین کانپ اٹھی۔

دیلمی ترک غلاموں کا طوفانی حملہ برداشت نہ کرسکے اور بھاگ نکلے۔ روزبہان اونٹ پر بیٹھا تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ اُس کی فوج کا شیرازہ بکھر گیا ہے تو اونٹ سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہونا چاہا تاکہ فرار میں آسانی ہو۔ اتنے میں ایک ترک غلام نے آگے بڑھ کر گرفتار کرلیا۔

جب اُسے معزالدولہ کی خدمت میں لایا گیا تو وہ گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اور زمین پر سر رکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ اس سے فارغ ہو کر اُس نے حکم دیا کہ "یہیں پڑاؤ کرو اور منادی کرادو کہ دشمن گرفتار ہوگیا ہے۔ اس کی فوج کا تعاقب نہ کیا جائے۔"

روزبہان کے ساتھ اتنا خزانہ اور مال و اسباب تھا کہ محاسب حساب نہ کرسکتے تھے۔ یہ تمام خزانہ معزالدولہ کے ہاتھ آیا۔ اس غیر معمولی اور غیر متوقع کامیابی کے بعد اس نے روزبہان اور اُس کے دوسرے سرداروں کو قید کی حالت میں اونٹوں پر بٹھادیا اور نہایت تیزی کے ساتھ پلٹ کر عرب فوج سے آملا۔ ان کو بڑے قیمتی خلعت پہنائے اور انعام دیے۔ پھر اُن کو ساتھ لے کر دیلمی لشکر کے پاس پہنچا۔ انھوں نے بہت عذر و معذرت کی اور معافی چاہی۔ معزالدولہ نے کہا "میں نے تمھاری جان بخشی کی۔ لیکن تمھارے لیے یہ تجویز ہے کہ ہتھیار اور گھوڑے چھوڑ جاؤ اور پیادہ پا جدھر سینگ سمائے چلے جاؤ۔ تم لوگ مروت اور مردمی کی راہ سے کوسوں دور ہو۔ اور آیندہ ہم تم پر بھروسا نہیں کرسکتے۔"

چناں چہ دیلمیوں نے ہتھیار اور گھوڑے وہیں چھوڑے۔ اور شرم کے مارے نظریں جھکائے پیادہ پا عراق کے علاقوں میں منتشر ہوگئے۔ آیندہ کسی نے اُن پر اعتبار اور اعتماد نہیں کیا۔

باب سیزدہم

در بیان مکر و خداع

(۱) حکایت ۔ صندوقوں میں سپاہی

جب عبداللہ بن عامر نے نیشاپور کے قلعے کا محاصرہ کیا اور ایک مدت گزرنے پر بھی قلعہ فتح نہ ہوا تو اُس نے قلعے کے باہر سے محصورین کو پیغام بھجوایا کہ "میں کسی طرح قلعے کے دروازے سے نہیں ہلوں گا۔ البتہ ایک شرط قبول کرو تو ایسا ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میں اپنی ایک امانت تمھارے پاس رکھ جاتا ہوں۔ اگر تم اس میں خیانت نہ کرو اور مجھے ضرورت کے وقت واپس کر دو تو میں یہاں سے چلے جانے کو تیار ہوں۔ کیوں کہ میرا سرخس اور مرو کی طرف جانا بہت ضروری ہے۔ ایک بات اور ہے اور وہ یہ کہ میرا اسباب بہت زیادہ ہے اور اونٹ موجود نہیں ہیں۔"

یہ سُن کر محصورین بہت خوش ہوے اور انھوں نے عبداللہ کی شرط قبول کر لی۔

عبداللہ کے پاس بہت سے بڑے بڑے صندوق موجود تھے۔ یہ صندوق پارس کے مالِ غنیمت میں اس کے ہاتھ لگے تھے۔ اُس نے اُن کو خالی کرایا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ایک ایک صندوق میں ایک ایک

ہتھیار بند سپاہی چھپ جائے۔ سپاہیوں نے ایسا ہی کیا۔ جب سب بیٹھ چکے تو صندوقوں پر مہریں لگا کر معتبر لوگوں کے ساتھ قلعے میں بھیج دیا گیا۔

ابھی صندوق قلعے میں پہنچائے جا رہے تھے کہ رات ہوگئی۔ صندوقوں کے تختے توڑ کر سپاہی باہر نکل آئے اور تکبیر کا نعرہ لگاتے ہوئے محصورین پر آ پڑے۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلیں قلعے کے دروازے سے باقی لشکر آ گھسا اور سب نے مل کر کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ دیکھتے دیکھتے یہ عالی شان قلعہ جس کی فتح کو اسلامی فتوحات کا دیباچہ بننا تھا فتح ہو گیا۔

---

(۲) حکایت۔ ہارون الرشید اور ایک "مکار بڑھیا"

امیر المومنین ہارون الرشید اکثر کہا کرتا تھا کہ "ہمیں آج تک کسی نے اتنا بڑا دھوکا نہیں دیا، جتنا اس مکار اور چالباز بڑھیا نے جو ہم سے ایک ہزار دینار لے گئی"۔

بعض مصاحبوں نے تفصیل پوچھی تو بیان کیا کہ جس زمانے میں، میں خراسان سے بغداد آرہا تھا اور میرا چچا ابراہیم بن مہدی (جس نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا) میرے ڈر سے کہیں روپوش ہو گیا تھا۔ اور میں اس خوف سے کہ وہ کوئی فتنہ نہ برپا کردے اس کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر رہا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک حبشی عورت آئی اور کہنے لگی "مجھے امیر المومنین کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہے۔ مگر جو بات میں کہنا چاہتی ہوں وہ صرف خلوت میں کہی جا سکتی ہے"۔

یہ سن کر میں نے حاضرین کو وہاں سے ہٹا دیا۔ جب سب جا چکے تو

حبشی عورت بولی "اگر میں امیرالمومنین کو اُن کے چچا ابراہیم مہدی کا پتا بتادوں تو مجھے کیا ملے گا؟"

میں نے جواب دیا "ایک ہزار دینار"۔

اس کے ساتھ ہی میں نے ایک حاجب کو جو سامنے کھڑا تھا حکم دیا کہ "جس وقت یہ تمھیں ابراہیم کو دکھا دے تو اسے ایک ہزار دینار دے دینا اور ابراہیم کو پکڑ کر میرے پاس لے آنا۔ اور دیکھنا، احتیاط سے کام لینا"۔

جب وہ حاجب واپس آیا تو اُس نے مجھے اپنا واقعہ اس طرح سُنایا کہ "وہ بڑھیا مجھے بغداد کی گلیوں میں اتنی دیر تک گھماتی رہی کہ مغرب کا وقت ہوگیا۔ چُناں چہ میں نے ایک بہت خوب صورت مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ کیا۔ بڑھیا بولی "اپنے غلام سے کہ دو کہ گھوڑا واپس لے جائے"۔ چُناں چہ میں نے گھوڑا بھجوا دیا اور نماز پڑھ کر پھر اُس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گئی۔ سامنے ایک صندوق پڑا تھا۔ مجھ سے بولی "اس صندوق میں چھپ جاؤ"۔ میں جھجکا تو کہنے لگی "صندوق میں گھُستے ہو یا میں واپس جاکر امیرالمومنین سے شکایت کردوں"؟

یہ دھمکی سُن کر میں جلدی سے صندوق میں چھپ گیا۔ بڑھیا نے فوراً اُسے بند کرکے قفل لگا دیا۔ پھر ایک حمال کو بُلا کر لائی۔ صندوق اُس کے سر پر لادا اور خُدا جانے کہاں لے چلی۔ صندوق کے اندر بیٹھے ہوئے صرف اتنا معلوم ہوتا تھا کہ کہیں لے جارہی ہے۔ بہت دیر چلنے کے بعد اُس نے ایک جگہ صندوق اُتروایا اور قفل کھول کر مجھے باہر نکالا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بہت خوب صورت مکان ہے۔ گانے کی مجلس آراستہ ہے۔ مطرب ترتیب سے بیٹھے گا بجا رہے ہیں اور ابراہیم مہدی صدر کی جگہ گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا ہے۔ اُسے

دیکھ کر میں تسلیم بجالایا۔ اُس نے کہا "آؤ بیٹھو"۔ میں آگے بڑھا۔ اُس نے کھڑے ہوکر تعظیم دی اور مجھے بٹھا کر امیرالمومنین اور دربار کا حال پُوچھنے لگا۔ ابھی میں جواب دینے نہ پایا تھا کہ حبشی عورت مجھ سے مخاطب ہوکر بولی "مَیں نے اپنا وعدہ پُورا کیا۔ میرے ایک ہزار دینار میرے حوالے کرو"!

مَیں نے امیرالمومنین کے حُکم کے مطابق ہزار دینار اُس کے حوالے کیے اور ابراہیم سے باتیں کرنے لگا۔ اُس نے شراب پیش کر کے کہا کہ "میرا ساتھ دو"۔

مجھے انکار کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کیوں کہ اکیلا تھا اور ڈرتا بھی تھا کہ شاید بُرا مانے اور مجھے جان سے مار دے۔ اس لیے مَیں نے پیالہ اُٹھا لیا۔ اور چڑھا گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ہوش نہ رہا کہ مَیں کہاں ہوں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی حالت میں انھوں نے مجھے دوبارہ اس صندوق میں بند کردیا اور چہار بازار میں رکھ آئے۔ کیوں کہ لوگوں نے مجھے صندوق میں بند اور بے ہوش اسی بازار میں پڑا ہؤا پایا"۔

---

(۳) حکایت یعقوب بن لیث کی عیّارانہ فتح

کہتے ہیں کہ خُدا نے تعالےٰ نے یعقوب بن لیث کو غیر معمولی ہمّت بخشی تھی۔ یہ اسی ہمّت کا نتیجہ تھا کہ اس قدر معمولی حیثیت کا آدمی ایک شاہی خاندان اور سلطنت کا بانی بن گیا۔

جب صالح بن نصر نے اس کے ڈر سے بھاگ کر رتبیل کے پاس پناہ لی اور اُسے اُکسایا کہ وہ لشکر جمع کر کے یعقوب بن لیث کے وجود سے

دُنیا کو پاک کردے تو وہ صالح کا ساتھ دینے پر تیار ہو گیا اور بے شمار لشکر جمع کر کے یعقوب کی طرف بڑھا۔

یعقوب بن لیث نے اس کے آنے کی خبر سُنی تو بڑے بوڑھوں کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ "رتبیل کو نیچا دکھانے کی کیا صورت کی جائے؟"

سب نے عرض کی کہ "جہاد کا حکم دیا جائے۔ گو ہمارا لشکر بہت مختصر ہے۔ مگر خُدا کے فضل و کرم پر بھروسا کرنا چاہیے۔ علاوہ بریں خواہ مکر و حیلہ ہی سے کام لینا پڑے مگر لڑائی سے مُنہ نہ موڑا جائے۔"

لشکر کا معائنہ کیا گیا تو ایک ہزار سوار سے زیادہ نہ نکلے۔ مگر اس کے باوجود یعقوب بن لیث رتبیل کے مقابلے کے لیے چل پڑا۔ بست پہنچا تو جس نے دیکھا مذاق اُڑایا کہ "کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ! یہ مُٹھی بھر سپاہی رتبیل کا مقابلہ کریں گے؟؟"

"آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے!"

یعقوب نے بھی غور کیا تو لوگوں کی باتیں کچھ بے جا نہ معلوم ہوئیں۔ دونوں کی فوجوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ آخر اُس نے ایک حیلہ سوچا اور بست سے رتبیل کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ "میں آپ کے دربار سے نیازمندی کا تعلق پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ میری سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ آپ کی خدمت میں عمر گزار دوں اور آپ کے جھنڈے تلے اپنی سپاہیانہ ہمت کے جوہر دکھاتا رہوں۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ مجھ میں آپ کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ میں حاضر تو ہونا چاہتا ہوں لیکن اگر میں نے اپنے آدمیوں کے سامنے اپنے ارادے کا اظہار کر دیا تو وہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔

اس لیے مصلحتاً میں اُن سے یہی کہوں گا کہ ہم جنگ کرنے جا رہے ہیں۔ تاکہ یہ بدگمان نہ ہوں۔ کم از کم اُس وقت تک کہ میں آپ کے سایۂ عاطفت میں پہنچ جاؤں۔ پھر تو میں اُن کی گرفت سے آزاد ہو جاؤں گا۔"

رو تبیل کو یہ خط پہنچا تو آنکھیں روشن ہو گئیں۔ بات بھی خوشی کی تھی۔ یعقوب بن لیث ہمیشہ اس کی سلطنت کی سرحدوں پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ یا لوٹ مار کر کے چلا آتا تھا۔ ایسے نڈر اور بہادر دشمن کو ملازم رکھنا بہت بڑی بات تھی۔ چناں چہ اُس نے یعقوب کے قاصدوں کی بہت آؤ بھگت کی۔ اُن کو خوش کر کے لوٹایا اور یعقوب کو اپنی عنایتوں اور مہربانیوں کا یقین دلایا۔

اس دوران میں یعقوب نے کئی مرتبہ سفیر بھجوائے اس سے اُس کی غرض یہ تھی کہ دشمن کو اچھی طرح شیشے میں اُتارے۔ مگر اپنے لشکر والوں پر یہی ظاہر کیا کہ ان لوگوں کو جاسوسی کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ الغرض جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل آئے تو رو تبیل نے صالح بن نصر سے کہا کہ چوں کہ دشمن نے اطاعت قبول کر لی ہے۔ اس لیے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ملاقات کا دن مقرر کرنا چاہیے۔

رو تبیل کا قاعدہ تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار نہ ہوتا تھا۔ ایک تخت پر بیٹھتا تھا اور اس تخت کو اس کے معزز درباری اپنے کندھوں پر اُٹھا کر لے جاتے تھے۔ جس وقت صفیں جمائی گئیں تو رو تبیل تخت پر بیٹھ کر آیا اور اپنے لشکر کو تخت کے دائیں اور بائیں صفیں آراستہ کرنے کا حکم دیا۔

اِدھر یعقوب تین ہزار خوں خوار شمشیر زنوں کے ساتھ اپنے حریف کی دونوں صفوں کے درمیاں گھس آیا۔ اس کے سپاہیوں نے عام لباس

کے نیچے زرہیں پہن رکھی تھیں اور اپنے اپنے نیزے اپنی پُشت کی آڑ میں کر رکھے تھے۔ خُدا نے اس وقت دشمن کے سپاہیوں کو اندھا کر دیا تھا کہ یعقوب کے سپاہیوں کے نیزے نظر نہ آئے۔ اتنے میں یعقوب نے جو رتبیل کے تخت کے پاس پہنچ گیا تھا، اپنا سر اس طرح جُھکایا گویا ادب سے سلام کر رہا ہے۔ ساتھ ہی پیچھے سے نیزے کو گھُمایا اور پلک جھپکاتے میں اس کا نیزہ رتبیل کی پُشت کے پار نظر آیا۔ رتبیل نے اُسی وقت جان دے دی۔ اب کیا تھا۔ یعقوب کے سپاہی اس کی فوجوں پر ٹوٹ پڑے اور روئے زمین کو اُن کے خُون سے نہلا دیا۔

کافروں نے رتبیل کا سر دیکھا تو بھاگ نکلے۔ یعقوب کے سپاہیوں نے بھاگتوں کا تعاقب کیا۔ ہزاروں دشمن کھیت رہے اور یعقوب کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔

یعقوب نے دوسرے روز چھ ہزار قیدی سیستان بھجوائے اور ساٹھ افسروں کو ساٹھ اونٹوں پر بٹھا کر اور مقتولین کے کان کاٹ کر اُن کی گردن میں ہار پہنا کر بست روانہ کر دیا۔ رتبیل کا اتنا مال و اسباب اور خزانہ اُس کے ہاتھ لگا کہ عقل اُس کے اندازے سے عاجز تھی۔ صالح بن نصر جان بچا کر بھاگ نکلا اور زابلستان کے بادشاہ کے پاس پناہ لی۔ اُس کا لشکر اُس سے جُدا ہو کر یعقوب سے آملا۔

یعقوب نے ضروری انتظامات سے فرصت پائی تو شاہ زابلستان کو خط لکھ کر صالح کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ اُس نے صالح کو یعقوب کے پاس بھیج دیا اور یعقوب نے اُسے قید کر دیا۔ آخر قید ہی کی حالت میں مر گیا۔

---

(۳۱) حکایت ۔ طاہر ذوالیمینین اور داخلۂ بغداد

جب طاہر ذوالیمینین نے بغداد کو فتح کرنے کے لیے لشکرکشی کی اور علی بن عیسیٰ کو قتل کرکے عقبۂ حلوان کے قریب چھاؤنی ڈال دی تو محمد امین نے بغداد سے ایک لشکرِ جرّار مقابلے کے لیے بھیجا۔

طاہر نے یہ چال چلی کہ پچاس آدمیوں کو بغداد بھیجا کہ وہ پانچ پانچ اور دس دس کی تعداد میں بغداد کے دروازے سے نکل کر امین کے لشکر کے پاس سے گزریں اور جب لشکر والے پوچھیں کہ "کہاں سے آرہے ہو" تو جواب دیں کہ "بغداد سے" جب وہ پوچھیں کہ "محمد امین کی سرگرمیوں کا کیا حال ہو"؟ تو جواب دیں کہ "بڑی فیاضی کر رہا ہو۔ اور روزانہ اپنے لشکر میں ہزاروں روپے بانٹ رہا ہو"۔

ان پچاس آدمیوں نے ایسا ہی کیا اور کئی مرتبہ بغداد گئے اور محمد امین کے لشکر کے پاس سے ہو کر گزرے۔ اور جب لشکر والوں نے سوالات کیے تو یہی جوابات دیے۔

محمد امین کے لشکر والوں نے کئی بار یہ جواب سنا تو اُن کو غصہ آیا کہ "لڑائی کے لیے ہمیں بھیجا ہو اور روپے دوسروں میں بانٹ رہا ہو"۔

ان کے حسد کی آگ ایسی بھڑکی کہ وہ اُسی رات بھاگ کر بغداد چلے آئے۔ صرف افسر رہ گئے۔ انھوں نے بھی جب اپنے آپ کو تنہا پایا تو دوسرے دن بغداد آگئے۔ اب طاہر کے لیے میدان صاف تھا۔ چناں چہ وہ بھی دشمن کے پیچھے پیچھے بغداد میں آگھسا اور فتح یاب ہوا۔

(۵) حکایت ۔ شریف چور

جب یعقوب بن لیث نے پہلے پہل عیاری اور ڈکیتی شروع کی تو بہت سے نوجوان ڈاکو اُس سے آملے اور وہ بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنے لگا۔ چوری اور ڈکیتی اس کا پیشہ نہ تھا۔ وہ صِرف ضرورت کے وقت ایسا کرتا تھا اور اس میں ہمیشہ انصاف کا لحاظ رکھتا تھا۔

اُس زمانے میں سیستان میں ایک بڑا امیر اور دولت مند شخص رہتا تھا۔ اُس کا نام پسر فرقد تھا اور وہ دولت و امارت کے ساتھ ساتھ عالی ہمتی اور فیاضی کے لحاظ سے بھی مشہور تھا۔

ایک مرتبہ یعقوب نے اُسے بتانا چاہا کہ وہ جو کچھ کرتا ہے چوری اور ڈکیتی ہی کی خاطر نہیں کرتا بلکہ دلیری اور جواں مردی کی وجہ سے کرتا ہے۔ چُناں چہ ایک دن وہ پسر فرقد کے مکان پر پہنچا اور دربان سے کہا "اپنے آقا کو اطلاع دو کہ تمھارے ایک دوست نے پیغام بھجوایا ہے اور وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

دربان اندر گیا تو یعقوب نے جھپٹ کر اِدھر اُدھر کی دیواروں، دروازوں اور بغلی کوٹھریوں پر نظر ڈالی اور اُن کا نقشہ اپنے ذہن میں بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر میں دربان نے آکر کہا کہ "اندر بُلایا ہے۔"

یعقوب اندر گیا اور باہر کی طرح یہاں کا بھی جائزہ لے کر پسر فرقد کے پاس پہنچا۔ اُس کے پوچھنے پر جواب دیا کہ "مجھے آپ کے ایک دوست نے بھیجا ہے۔ اور ایک پیغام دیا ہے۔ لیکن آپ پہلے عہد کریں کہ جو کچھ آپ کے دوست نے کہلوایا ہے وہ آپ اپنے ہی تک رکھیں گے۔ اشارتاً بھی کسی

کے سامنے ظاہر نہ کریں گے۔"

پسرِ فرقد نے وعدہ کیا تو یعقوب بولا "مجھے خواجہ رنگ آلود نے بھیجا ہے۔ اور کہلوایا ہے کہ خواجہ عثمان طارمی مجھے کئی مرتبہ رنج پہنچا چکا ہے۔ وہ ایک نشہ باز اور شریر آدمی ہے۔ اور میں اُسے ہلاک کرنا چاہتا ہوں۔ مگر مجھے ایک اچھے سرپرست کی ضرورت ہے تاکہ اُسے ٹھکانے لگا کر میں اُس کے ہاں پناہ لے سکوں۔ اگر آپ میری سرپرستی قبول کریں اور مجھے اپنے مکان میں چھپانے کا ذمہ لیں تو نوازش ہوگی۔"

پسرِ فرقد نے یہ پیغام سُنا تو بہت خوش ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ عثمان طارمی اُس کی جان کا دشمن تھا۔ اور پسرِ فرقد اُس سے ڈرتا تھا۔

دوسرے دن یعقوب پھر اُس کے مکان پر پہنچا اور پہلے دن کی طرح اندر بلوالیا گیا۔ آج پسرِ فرقد نے بہت زیادہ عزت کی اور اُسے اپنی جگہ بٹھایا۔ دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس عرصے میں یعقوب اُس کے خزانے کے کمرے اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ معلوم کر چکا تھا۔ چناں چہ اطمینان کے ساتھ واپس ہوا۔

رات ہوئی تو یعقوب اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے باہر نکلا۔ اندھیری رات تھی اور اُس کے حق میں بہت مفید۔ چناں چہ رہ گیروں کی نظر سے بچتا بچاتا وہ پسرِ فرقد کے مکان پر پہنچا۔ پہلے دن نقب کے لیے جو جگہ موزوں نظر آئی تھی وہاں اُس نے نقب لگائی اور اندر پہنچا۔ خزانے والے کمرے میں داخل ہو کر صندوقوں کے قُفل کھولے۔ مگر اشرفیوں یا روپوں کی تھیلیوں کو ہاتھ نہ لگایا۔ نہ زیورات و جواہرات کو چھیڑا۔ البتہ ایک رقعہ لکھ کر وہاں چھوڑ آیا کہ "ہم آئے تھے اور تمھارے خزانے کا جائزہ لے کر

چلے آئے۔ تمھارے رُپے پیسے کو نہیں چھیڑا۔ صرف اس لیے کہ تم جواں مرد اور فیاض آدمی ہو۔ لیکن چوں کہ ہمیں پانچ ہزار درم کی ضرورت ہے۔ اس لیے تم کو چاہیے کہ ایک تھیلی میں پانچ ہزار درم رکھ کر فلاں مقام پر ریت میں چھپا دو۔ اور اُن کو خدا کے حوالے کر دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آیندہ کے لیے ہوشیار رہو۔"

یہ رقعہ لکھ کر اُس نے ایک صندوقچے پر رکھ دیا اور مکان سے باہر نکل آیا۔ اب اُسے اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کوئی اور چور اس نقب کو دیکھ لے اور اندر جا کر خزانے پر ہاتھ صاف کر دے۔ اس لیے اُس نے کچھ دُور جا کر شور مچایا کہ "پڑوسیو! پسر فرقد کے مکان میں چوروں نے نقب لگائی ہے۔ جلدی باہر آؤ۔"

یہ کہ کر یعقوب تو چل دیا مگر اُس کی آواز سُن کر بہت سے ہمسائے اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے اور پسر فرقد کو اطلاع پہنچائی۔ وہ نقب دیکھ کر بہت گھبرایا اور دوڑتا ہوا اپنے خزانے کے کمرے میں آیا۔ صندوق کھلے پائے مگر دیکھ بھال کرنے پر ایک پیسہ تک غائب نہ پایا۔ تب اُسے ہوش آیا۔ صندوقچے پر سے رقعہ اُٹھا کر پڑھا تو بولا "بڑے شریف بدمعاش ہیں۔ اور مجھ پر انھوں نے بہت احسان کیا ہے۔" علی الصباح اُس نے پانچ ہزار درم تھیلی میں ڈال کر اسے مقررہ جگہ پر ریگستان میں دبا دیا۔

یعقوب نے یہ سارا واقعہ اپنے ساتھیوں کو سُنایا اور اُن کو ساتھ لے کر اُس جگہ پہنچا۔ کھود کر دیکھا تو تھیلی موجود پائی۔ اُس نے رقم نکال کر اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دی۔ انھوں نے اس کی بہادری اور عیاری کا اعتراف کیا اور اُسے اپنا سردار بنا لیا۔

---

(۶) حکایت۔ یعقوب بن لیث اور شاہی گھوڑے

کہتے ہیں کہ ابتدا میں یعقوب بن لیث اور اُس کے ساتھیوں کے پاس سواری کے لیے گھوڑے نہ تھے۔ یعقوب کو بہت فکر تھی کہ کہیں سے گھوڑے حاصل کیے جائیں۔

ایک دن خبر ملی کہ بصرے اور اہواز کی طرف سے ایک بہت بڑا قافلہ آرہا ہے اور اصفہان جارہا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قافلے والوں نے خارجیوں کے ڈر سے سیستان کے بادشاہ کے پاس آدمی بھیجا ہے اور حفاظت کی درخواست کی ہے۔ چناں چہ بادشاہ نے پچاس سواروں کو حکم دیا ہے کہ قافلے کو حفاظت سے پہنچا آئیں۔

یعقوب نے اپنے ساتھیوں کو تیاری کا حکم دیتے ہوئے کہا کہ "ایک ایک دو دو کرکے جاؤ اور بیابان والی سرائے میں ٹِک جاؤ۔"

چناں چہ سارے ساتھی ایک ایک کرکے سرائے میں جا پہنچے۔ سرائے دار نے پوچھا "تم کون ہو؟" جواب دیا "راہ گیر ہیں۔ سیستان سے آئے ہیں۔ کرمان جارہے ہیں۔ محافظوں کا انتظار ہے، وہ آجائیں تو ہم بھی اپنا راستہ لیں۔"

سب سے آخر میں یعقوب سرائے میں داخل ہوا اور سب کے سب شاہی محافظوں کا انتظار کرنے لگے۔ کیوں کہ محافظوں کو اس سرائے سے قافلے کے ساتھ ہونا طے پایا تھا۔

القصہ جب محافظ سوار پہنچے تو یعقوب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ایک ایک آدمی ایک ایک سوار کی خدمت کرے اور اُس کے گھوڑے کے لیے چارا اور پانی لائے۔ اس طرح سواروں کو کچھ شبہ نہ ہوگا۔ چناں چہ

ساتھیوں نے ایسا ہی کیا اور سواروں کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

اتنے میں ایک قاصد نے اطلاع پہنچائی کہ قافلہ فلاں گاؤں میں آ پہنچا ہے۔ یہ سُن کر محافظ سواروں نے فیصلہ کیا کہ علی الصباح قافلے کے ساتھ ہو لیں۔ یعقوب کو یہ اطلاع ملی تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "آج رات جاگتے رہنا"۔

رات ہوئی اور سرائے کے مسافر سو گئے تو یعقوب نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا۔ سرائے دار اور شاہی سواروں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے اور اُن کے ہتھیار اور گھوڑے لے کر سرائے کا دروازہ بند کر کے قافلے کی جانب روانہ ہوئے۔

جب قافلے کے قریب پہنچے تو سب نے مل کر نعرہ لگایا کہ "الحکم للّٰہ ولا حکم الا اللّٰہ" خارجیوں کا یہ مخصوص نعرہ سُن کر سوئے ہوئے قافلے والے ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے اور ہتھیار اُٹھانے لگے۔ مگر یعقوب اور اس کے ساتھی بجلی کی سی تیزی سے اُن کے سر پر آ پہنچے تھے۔ چلّا کر بولے "خیریت اسی میں ہے کہ ہتھیار ہمارے حوالے کر دو"۔

قافلے والوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ یعقوب نے کہا "اپنے سرداروں کو بُلاؤ"۔

چند سوداگر آگے بڑھے تو یعقوب بولا "قافلے کے مال کا پانچواں حصہ میرے حوالے کر دو۔ جس شخص کا مال دو ہزار سے کم کا ہو اُس سے کچھ نہیں مانگتا"۔

یہ سُن کر قافلے والوں کی جان میں جان آئی اور انھوں نے اس مطالبے کو بڑی خوشی اور احسان مندی ظاہر کرتے ہوئے پورا کر دیا۔

اتنے بڑے قافلے کے مال کا پانچواں حصّہ بھی بجائے خود ایک بہت بڑے خزانے کی قیمت رکھتا تھا۔ چناں چہ یعقوب مالامال ہو کر شاہی سپاہیوں کے گھوڑے اور ہتھیار لیے ہوئے اپنے گھر پہنچا۔

---

(۷) حکایت۔ باپ کے حکم کی تعمیل

ایک مرتبہ سُلطان محمود نے شاہ کرمان کو کچھ قیمتی اور نادر تحفے بھجوائے تھے۔ قاصد کا راستہ طبس سے گزرتا تھا۔ یہاں حصر کا بیابان پڑتا تھا۔ جس میں بلوچی ڈاکو رہتے تھے اور مسافروں کو لوٹ لیتے تھے۔ ان کی جماعت میں اسّی آدمی تھے اور اُنھوں نے ایک قلعہ بنا رکھا تھا۔ سلطان کو اُس وقت تک ان ڈاکوؤں کا حال معلوم نہیں ہوا تھا۔

سُلطانی قاصد تحفے لیے ہوئے اس بیابان سے گزرا تو ڈاکو اُس پر آپڑے اور سب کچھ چھین کر لے گئے۔ اس کے بعض ساتھی قتل ہوئے اور باقی جان بچا کر طبس پہنچے۔ وہاں سے اُنھوں نے سُلطان کی خدمت میں اس حادثے کی اطلاع بھجوائی۔ سُلطان غزنین سے بست کی راہ جا رہا تھا۔ جب بست پہنچا تو مسعود ہرات سے چل کر اُس سے وہاں آن ملا۔

جس وقت مسعود سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تو سُلطان نے نہ تو اُس کی طرف دیکھا اور نہ اپنا ہاتھ بڑھایا بلکہ اُس کے چہرے سے غیظ و غضب کے آثار ٹپکنے لگے۔

باپ کے چہرے کا یہ رنگ دیکھ کر بیٹے نے زمین کو بوسہ دیا اور عرض کی کہ "غلام نے کیا خطا کی ہے"؟

سلطان نے جواب دیا۔ "میں تجھ سے کس طرح خوش ہوں اور تیری طرف کیوں دیکھوں؟ جب کہ تو میرا فرزند ہو اور تیرے پڑوس میں ڈاکو مسافروں کو لوٹتے رہیں اور تجھے خبر تک نہ ہو۔"

سلطان مسعود نے جواب دیا "حضور، یہ غلام تو ہرات میں رہتا ہو اور وہیں سے آ رہا ہو۔ اگر حصر کے جنگل میں ڈاکے پڑتے ہیں تو اس میں غلام کا کیا قصور ہو؟"

سلطان نے فرمایا "میں کچھ نہیں جانتا۔ اتنا جانتا ہوں کہ جب تک ان تمام ڈاکوؤں کو مُردہ یا زندہ گرفتار کرکے نہ لاؤ گے، میں نہ تو تمھاری صورت دیکھوں گا نہ بات کروں گا۔"

مسعود آداب بجالایا اور اسی وقت ہرات روانہ ہو گیا۔ وہاں سے دو سو خاص غلام خرید کر حصر کے بیابان کی طرف چلا اور یہاں وہاں ٹوہ لیتا ہوا ڈاکوؤں کے قلعے کے قریب جا پہنچا۔ سوچا کہ ڈاکوؤں کے قلعے پر کوئی نگہ بان یا جاسوس ضرور متعین ہو گا۔ اگر اس نے بہت سے سواروں کو آتے دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو خبر کر دے گا اور وہ مقابلے کی طاقت نہ پاکر بھاگ کھڑے ہوں گے۔

یہ سوچ کر اس نے پچاس سواروں کو حکم دیا کہ سر پر پگڑیاں باندھ لو۔ اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر قلعے کے نیچے جا پہنچو۔ چھوٹی جماعت دیکھ کر وہ قلعے سے باہر نکلیں گے۔ تم اُن کو لڑائی میں مشغول رکھنا۔ اتنے میں، میں دوسری طرف سے آ پہنچوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے ڈیڑھ سو غلاموں کے ساتھ چکّر کاٹ کر قلعے کے پیچھے جا پہنچا اور دفعتاً اس وقت نمودار ہوا جب ڈاکو قلعے سے نکل کر اس کے پچاس

غلاموں سے بھرے رہتے تھے۔ مسعود نے آتے ہی اُن کو گھیر لیا اور تھوڑی دیر میں چالیس ڈاکوؤں کو گرفتار کر لیا۔ باقی قتل ہو گئے۔ قلعے کی تلاشی لی گئی تو نہ صرف محمود کے تحائف دستیاب ہوئے بلکہ اور بہت سا قیمتی مال و اسباب ہاتھ آیا۔

قیدیوں کو لے کر مسعود باپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سُلطان نے سب کو قتل کرا دیا۔ اور آیندہ کے لیے حضر کا راستہ محفوظ ہو گیا۔

---

(۸) حکایت کُتّے کی رہ نمائی اور مسیلمہ کی قلعہ کشائی

مسیلمہ بن عبدالملک نے ایک قلعے کا محاصرہ کیا مگر انتہائی کوششوں اور تدبیروں کے باوجود وہ قلعہ فتح نہ ہوا۔ اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی۔ لشکر والے بہت پریشان ہوئے۔ یہ دیکھ کر مسیلمہ نے چند روز تک روزے رکھے اور خدائے تعالےٰ سے دُعائیں مانگیں۔

ایک دن اُس نے دیکھا کہ ایک کالا کُتّا لشکر میں پھر رہا ہے۔ لوگوں سے پوچھا "یہ کہاں سے آیا ہے"؟ مگر کوئی نہ بتا سکا۔

اب یہ ظاہر تھا کہ کُتّا باہر سے نہیں آیا۔ کیوں کہ سپاہیوں نے چاروں طرف سے قلعے کو گھیر رکھا تھا۔ اس لیے نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قلعے کے اندر سے آیا ہے۔ مگر کس طرح؟ قلعے کے دروازے میں زرا بھی درز نہ تھی۔ چہ جائے کہ اتنا بڑا سوراخ جس سے کُتّا گزر سکے۔

مسیلمہ نے سوچا کہ قلعے کی دیوار میں کوئی سوراخ ایسا ہے جہاں سے گزر کر یہ کُتّا آیا ہے۔ چناں چہ اُس نے رات کے وقت اپنے سپاہیوں کو اُس

سوراخ کی تلاش میں بھیجا۔ مگر وہ ناکام واپس آئے۔ تھوڑی دیر میں معلوم ہُوا کہ کُتا غائب ہے۔ مسیلمہ نے حکم دیا کہ کتے کو تلاش کرو۔ چاندنی رات تھی سپاہی چاروں طرف ڈھونڈ آئے مگر کُتا نہ ملا۔

اب تو مسیلمہ کو پورا یقین ہو گیا کہ قلعے میں جانے آنے کا کوئی خفیہ راستہ یا شگاف ضرور موجود ہے۔ چناں چہ اُس نے حکم دیا کہ چمڑے کا کوئی پرانا توشے دان لے کر اُس پر گھی مل دیا جائے اور اُس میں چینا کے دانے بھر دیے جائیں۔ سپاہیوں نے ایسا ہی کیا اور اُسے ایسی جگہ رکھ دیا جہاں سے سپاہی دور تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے دن وہ کُتا پھر لشکر میں آیا اور اُس پرانے توشے دان کو اُٹھا لے گیا۔ کیوں کہ جس راستے سے وہ گیا تھا اُس میں چینے بکھرتے گئے تھے۔ مسیلمہ دانوں کے نشان پر چلا۔ ایک جگہ دیوار میں ایک بہت بڑی سُرنگ نظر آئی۔ مسیلمہ اپنی فوج کو لیے ہوئے اُس سُرنگ کے ذریعے قلعے میں داخل ہو گیا اور کُتے کی رہ نمائی سے یہ عظیم الشان قلعہ فتح ہو گیا۔
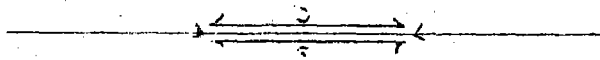
باب چہاردہم

در کفایتِ وزرا و حسن رائے ہا

(۱) حکایت۔ تلوار اور قلم

کہتے ہیں کہ عضد الدولہ فنا خسرو کا بھائی فخر الدولہ اپنے بھائی کے ڈر سے بھاگ کر نیشاپور پہنچا تو وہاں کے وزیر نے اُس سے اچھا سلوک نہیں کیا اور اُسے تکلیفیں پہنچائیں۔ فخر الدولہ نے اُسے رقعہ لکھا کہ "اگر تمھیں قلم پر ناز ہے تو مجھے تلوار پر فخر ہے۔ بتاؤ کون زیادہ طاقت ور ہے؟"

وزیر نے جواب میں لکھا کہ "تلوار زیادہ طاقت ور ہوتی ہے مگر قلم زیادہ تیز ہوتا ہے۔ خود سوچ لو کہ زیادہ طاقت ور کون ہے؟"

فخر الدولہ نے اپنا رقعہ اور وزیر کا جواب شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کو دکھایا تو قابوس نے ایک طرف لکھ دیا کہ "تلوار اور قلم دونوں، صائب رائے کے بغیر بے کار ہیں۔"

---

(۲) حکایت۔ نظام الملک اور ایک اندھا فقیر

نظام الملک حسن رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر وزارت ختم ہو گئی تھی۔

کہتے ہیں کہ ابتدائی زندگی میں وہ عزیز الدین نقاعی کے عملے میں نوکر تھے۔ عزیز نقاعی سلطان ملک شاہ کا شراب دار تھا اور بڑا باہمت، بامروت اور بزرگ آدمی تھا۔ اُس نے مرو کے کتب خانے کی بنیاد ڈالی تھی۔

اُن کے وزارت تک پہنچنے کا واقعہ یوں ہے کہ عزیز نقاعی نظام الملک کو اپنے حساب کتاب کے سلسلے میں دفترِ وزارت میں بھجوایا کرتا تھا۔ خواجہ نے حساب کتاب میں اتنی باریک بینی اور کفایت سے کام کیا کہ شاہی ستوفی نے عزیز سے کہا کہ "اس شخص کا باورچی خانے میں کام کرنا ظلم ہے"۔ یہ کہہ کر وہ نظام الملک کو اپنے ساتھ لے گیا اور محکمۂ وزارت میں منشی رکھ دیا۔ خواجہ نظام الملک نے اس خوبی سے کام کیا کہ تھوڑے ہی دنوں میں نائب ستوفی مقرر کیے گئے۔ اس تقرر کے بعد اُن کی استعداد، قابلیت اور شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ قسمت کا ستارہ عروج پر تھا کہ انھی دنوں سلطان کو ایک سفر پیش آیا۔ وزیر بیمار تھا اس لیے قرار پایا کہ نائب کو ساتھ بھیج دیا جائے۔

نظام الملک کو ہمراہی کا پیغام پہنچا تو اُن کے پاس نہ زادِ راہ تھا نہ اسبابِ سفر۔ بہت پریشان ہوئے۔ سیدھے ایک مسجد میں پہنچے اور نماز سے فارغ ہو کر اُداسی اور بے چینی کے عالم میں ایک ستون کے پیچھے بیٹھ گئے۔

ابھی نظام الملک کو وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک نابینا آیا اور نماز پڑھ کر کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا۔ جب اُسے کسی اور شخص کی موجودگی کا احساس نہ ہوا تو اُٹھا اور محراب کے پاس پہنچ کر اس نے فرش ہٹایا پھر محراب کے نیچے ٹٹول کر ایک اینٹ ہٹائی۔ وہاں سے ایک تھیلی نکالی۔ اس میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں۔ اُن کو اپنے دامن میں بکھیر کر کچھ دیر ان کو الٹ پلٹ کر کے کھیلتا رہا۔ بعد ازاں اُن اشرفیوں کو احتیاط سے تھیلی میں بند کیا

اور تھیلی کو اس کی جگہ چھپا کر اُس پر اینٹ رکھی۔ پھر فرش کو برابر کیا اور مسجد سے باہر چلا گیا۔

نظام الملک نے اپنے دل میں کہا کہ "خُدا دیتا ہی تو چھپّر پھاڑ کر دیتا ہی۔" یہ کہہ کر وہ خوش خوش اُٹھے اور اشرفیوں کی تھیلی نکال کر خُدا کا شُکر ادا کرتے ہوے اور اس غیبی مدد سے نیک فال لیتے ہوے اپنے گھر پہنچے اور سفر کی تیاری کرنے لگے۔ گھوڑے، اُونٹ، خیمے اور ضرورت کی دوسری چیزیں خریدیں۔ اور بڑے ٹھاٹھ سے سُلطان کے ساتھ روانہ ہوے۔

اس سفر کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہر وقت نظر کے سامنے رہنے اور سابقہ پڑنے کی وجہ سے سُلطان انھیں اچھی طرح جاننے لگا۔ چناں چہ جب اس سفر سے لوٹے تو مستوفی انتقال کر چکا تھا۔ اس لیے سُلطان نے ان کو مستوفی کا عہدہ عطا کر دیا۔

مستوفی کی حیثیت سے نظام الملک نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دن اُن کو ملک شاہ کی وسیع سلطنت کا وزیر بنا دیا گیا۔

وزیر ہونے کے بعد کا ذکر ہی، ایک دن خواجہ کی سواری بازار سے گُزر رہی تھی کہ سامنے وہی نابینا دکھائی دیا۔ بے چارہ بوڑھا ہو چکا تھا، کمر جُھک گئی تھی اور سڑک کے ایک طرف بیٹھا بھیک مانگ رہا تھا۔ نظام الملک نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ "اس اندھے فقیر کو میرے مکان پر لے کر آؤ۔"

چُناں چہ جب اُس کے آدمی فقیر کو ساتھ لے کر نظام الملک کے مکان پر پہنچے تو انھوں نے سب کو پاس سے ہٹا دیا اور فقیر سے پوچھا "بڑے میاں کسی مسجد سے تمھاری ایک اشرفیوں کی تھیلی گُم ہو گئی تھی۔ وہ اب تک

ملی یا نہیں؟"

یہ سنتے ہی اندھے نے اچھل کر نظام الملک کو پکڑ لیا اور بولا "اس وقت ملی ہے۔"

نظام الملک نے پوچھا "وہ کس طرح؟"

اندھا بولا "اس طرح کہ ان اشرفیوں کا حال میرے سوا کسی کو معلوم نہ تھا۔ اب جو تم نے اُن کی طرف اشارہ کیا تو اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ تم چور ہو۔"

نظام الملک نے اسی وقت حکم دیا کہ پانچ ہزار اشرفیاں بڑے میاں کو دے دی جائیں۔ ساتھ ہی ایک گانو خرید کر اس کی اولاد کے نام وقف کر دیا۔ یہ گانو آج تک موجود ہے اور اسے "نابینا باد" کہتے ہیں۔

---

(۳) حکایت۔ ملک شاہ کی گرفتاری اور نظام الملک کی تدبیر

جس زمانے میں سلطان ملک شاہ اور قیصر روم میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ملک شاہ کو شکار کی سوجھی۔ اس کی عادت تھی کہ ایسے موقع پر چتر و نشان، دورباش رکھنے والوں اور دوسرے غیر ضروری سامان کو ساتھ نہ لیتا تھا۔ اس موقع پر بھی چند سواروں کو ساتھ لے کر لشکرگاہ سے نکل کھڑا ہوا۔ تھوڑی دور گیا تھا کہ دفعتہً رومیوں کے مقدمۃ الجیش سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ رومیوں نے دشمن کے چند سواروں کو غیر مسلح پایا تو اُن پر ہلہ بول دیا۔ اور گھیر کر ایک دو کے سوا سب کو گرفتار کر لیا۔ ملک شاہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ پکڑا گیا۔

جب رومی سپاہی اُن کو لیے ہوئے اپنی لشکر گاہ کی طرف جانے لگے تو سلطان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "خبردار، کوئی شخص میری تعظیم نہ کرے اور نہ میرا نام بتائے۔ بلکہ مجھ سے ایک عام سپاہی کی طرح پیش آئے۔"

اس کے ساتھیوں نے ایسا ہی کیا۔ چناں چہ جب اُن کو قیصر کی خدمت میں پیش کیا گیا اور قیصر نے پوچھا کہ "تمھارا سردار کون ہے"؟ تو سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا "ہمارا سردار لشکر میں ہے۔ ہم سب عام سپاہی ہیں۔ شکار کی غرض سے آئے تھے کہ آپ کے آدمیوں نے گرفتار کر لیا۔"

قیصر نے حکم دیا کہ ان کو قید کر لیا جائے۔

جب ملک شاہ کے وہ ساتھی جو رومیوں کے ہاتھ سے بچ کر بھاگ نکلے تھے، اپنی لشکر گاہ میں پہنچے تو سیدھے نظام الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُس کو سلطان کی گرفتاری کی اطلاع دی۔

نظام الملک نے ان کو اسی وقت اپنے خیمے میں قید کر دیا تاکہ یہ بُری خبر لشکر میں نہ پھیل سکے۔ اور شام کے وقت سواروں کے ایک دستے کو شکار گاہ میں بھجوا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس دستے کے سوار لوٹ کر شاہی خیموں کی طرف آئے اور نعرہ لگاتے آئے کہ "سلطان کی سواری آتی ہے۔" اس طرح لشکر پر ظاہر کیا گیا کہ سلطان شکار کھیل کر واپس آگیا ہے۔

دوسرے دن نظام الملک نے لشکر کے چاروں طرف پہرے بٹھا دیے اور خود ایلچی بن کر رومی لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ جب قیصر کو اطلاع ملی کہ نظام الملک ایلچی کی حیثیت سے آیا ہے تو قیصر نے اس کی بہت تعظیم و تکریم کی اور عزت کی جگہ بٹھایا پھر خواجہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا "ملک شاہ ابھی نوجوان ہے۔ بلکہ بعض باتوں کے لحاظ سے بالکل بچہ ہے چناں چہ اس

کی یہ فوج کشی بچوں کا کھیل معلوم ہوتی ہے۔ آپ اُسے ان طفلانہ حرکتوں سے منع کریں"

نظام الملک نے مصلحتاً اس کی ہاں میں ملائی۔ پھر اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے بعد صلح کی شرطیں طے کیں اور فریقین میں معاہدہ ہو گیا۔ اس سے فراغت پاکر وہ قیصر سے رخصت ہونے لگا تو قیصر نے پوچھا "آپ کے لشکر کے چند سوار تو گم نہیں ہوئے؟"

نظام الملک نے بے پروائی سے جواب دیا "ہوئے ہوں گے۔ مجھے علم نہیں۔ اتنے بڑے لشکر میں ہر ایک سوار کو یاد رکھنا آسان نہیں"

قیصر نے کہا "ہم نے چند سواروں کو گرفتار کیا ہے"۔ نظام الملک نے جاتے جاتے جواب دیا "چھوڑ دیجیے تو بہتر ہے"۔

قیصر نے اپنے وزیر کو اشارہ کیا۔ وہ نظام الملک کے ساتھ ہو لیا۔ اور اسے سواروں کے پاس لے گیا۔ نظام الملک نے اُن کو دیکھا تو غصّے سے لال پیلا ہو کر بولا "کیوں بے نالائقو! ناہنجارو! یہ دن شکار کھیلنے کے ہیں۔ لشکر میں چلو تمھاری کیسی خبر لیتا ہوں۔ غضب خدا کا ٹکے ٹکے کے سپاہی اور دماغ بادشاہوں کے سے۔ شکار کا شوق چرایا تھا آپ کو۔ ایک دفعہ آجاؤ لشکر میں، ایسی خبر لوں کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے اور شکار وکار سب بھول جاؤ"۔

اس طرح بُرا بھلا کہتا ہوا نظام الملک ان کو ساتھ لے کر اپنے لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ جب رومی لشکر کی حدود سے باہر نکل آیا تو خواجہ گھوڑے سے اُتر پڑا اور ملک شاہ کی رکاب چوم لی۔

رومی سفیر نے (جو ساتھ آیا تھا) یہ حال دیکھا تو سمجھ گیا کہ ان قیدیوں

کے ساتھ مسلمانوں کا بادشاہ بھی ہمارے ہاتھ آگیا تھا۔ مگر اب اُس بے چارے کے پچھتانے سے کیا ہوسکتا تھا۔

ملک شاہ نے لشکرگاہ میں پہنچ کر سپاہیوں کو تیاری کا حکم دیا۔ اور اسی وقت قیصر کی فوجوں پر ہلّہ بول دیا۔ قیصر صلح کی وجہ سے جنگ کے لیے تیار نہ تھا۔ یہ خبر سُن کر حیران رہ گیا۔ مگر پھُرتی سے فوجوں کو آراستہ کر کے میدان میں آیا۔ دونوں فوجیں ملیں اور تھوڑی دیر تک زوروشور سے جنگ ہوتی رہی۔ آخر قیصر کی فوجوں کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ میدان سے بھاگیں۔ ملک شاہ کی فوج نے تعاقب کیا اور قیصر کو گرفتار کر کے لوٹی۔

قیصر کو ملک شاہ کے سامنے لایا گیا تو حاجبوں نے اُس سے کہا کہ "سلطان کو کورنش بجالاؤ۔"

قیصر نے سر نہیں جھکایا اور نہ کورنش بجالایا۔ صِرف اتنا کہا کہ "یہ بادشاہ ہے تو میں بھی بادشاہ ہوں۔ یہ جوان ہے تو میں بھی جوان ہوں۔"

پھر بولا "ایک بات کہوں"؟

ملک شاہ نے جواب دیا "کہو"

قیصر بولا "کیا کہوں۔ اگر بادشاہ ہو تو بخش دو۔ اگر قصائی ہو تو قتل کردو اور اگر تاجر ہو تو فروخت کردو۔ ان تینوں میں سے ایک کام کرو۔ اور بس۔"

ملک شاہ نے جواب دیا "میں بادشاہ ہوں۔ تمھاری جان بخشی کرتا ہوں۔"

چُناں چہ قیصر کو بیش بہا خلعت پہنایا گیا اور سُلطان نے اُسے

اپنے پاس بٹھا کر نظام الملک کے مشورے سے نئی شرطیں طے کیں اور نیا خراج مقرر کیا۔

آخر میں قیصر نے نظام الملک سے مخاطب ہو کر کہا کہ "آپ کی کوئی خواہش ہو تو بیان کیجیے۔ میں اُسے پورا کروں گا۔"

نظام الملک نے جواب دیا "صرف ایک معمولی درخواست ہے۔ جس کی تعمیل آپ کے لیے بہت آسان اور میرے لیے صدہا خزانوں کے برابر قیمتی ہے۔ وہ یہ کہ میری ہمیشہ سے یہ آرزو رہی ہے کہ قسطنطنیہ میں میری تھوڑی سی ملکیت ہو۔ اس لیے آپ مجھے وہاں تھوڑی سی زمین عنایت فرما دیں۔"

قیصر نے پوچھا "کتنی زمین درکار ہے؟"

نظام الملک نے جواب دیا "ایک بیل کی کھال کے برابر"!

قیصر بولا "بہتر ہے۔"

چناں چہ اُس نے وعدہ کر لیا اور قسم کھائی کہ خواجہ کی خواہش پوری کر دی جائے گی۔

نظام الملک نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ایک بیل کی کھال اُتار کر اُس کا تسمہ بنایا جائے۔ چناں چہ خواجہ نے اسی تسمے کے برابر لمبی اور اُسی کی لمبائی کے برابر چوڑی زمین قسطنطنیہ میں حاصل کر لی۔ اور وہاں ایک سرائے، ایک خانقاہ اور ایک مسجد تعمیر کرائی۔ چوں کہ ان عمارتوں پر پانی کی طرح رُپیہ بہایا گیا تھا۔ اس لیے تینوں عمارتیں بہت خوب صورت تیار ہوئیں اور آج تک موجود ہیں۔

---

(۴) حکایت خلیفہ معتضد کا جاسوس

امیرالمومنین معتضد کا وزیر قاسم بن عبداللہ جوان آدمی تھا۔ مگر اپنی لیاقت اور استعداد کے سبب سے اس عہدے کا اہل سمجھا جاتا تھا۔ ایک دن قاسم نے اپنی حرم سرا میں مجلسِ نشاط آراستہ کی۔ اور اس عہد کے قاعدے کے مطابق حریر کے کپڑے پہن کر گانے والی کنیزوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر خوب گانے سُنے اور خوب شراب لنڈھائی۔ دن چڑھے جب وہ دربارِ خلافت میں پہنچا تو اسے دیکھتے ہی ایک خادم نے آکر کہا کہ امیرالمومنین فرماتے ہیں "رات تو بہت رنگ رلیاں منائیں۔ اگر ہمیں بھی یاد کر لیتے تو کیا بگڑ جاتا۔ ہم بھی حریری لباس پہنتے اور تمھارا ساتھ دیتے۔"

قاسم نے جواب دیا" امیرالمومنین نے ان کلمات سے میری عزّت افزائی کی ہے۔ لیکن غلاموں کی کیا مجال کہ ایسی گستاخی کا خیال بھی دل میں لاسکیں۔"

قاسم نے خادم کو تو ٹال دیا مگر اس کے دماغ میں اُلجھن پیدا ہو گئی کہ امیرالمومنین کو رات کی بات کی اطلاع کیوں کر ہوئی؟ پریشانی کے عالم میں تھوڑی دیر اپنے منصبی فرائض انجام دیتا رہا۔ پھر گھر لوٹ آیا۔ راستے بھر سوچتا رہا کہ میں نے حرم سرا کے آخری گوشے میں مجلس منعقد کی تھی اور اس میں نہ کوئی دوست شریک تھا نہ کوئی رشتے دار۔ پھر یہ کیا ماجرا ہے کہ خلیفہ کو ساری روئیداد کی خبر پہنچ گئی۔

گھر پہنچ کر اس نے اپنے مختار کو بُلوایا اور اُسے سارا واقعہ سُنا کر حکم دیا "جس طرح ہو سکے معلوم کرو کہ ہمارا یہ راز کس نے ظاہر کیا؟"

مختار دوسرے دن مُنھ اندھیرے قاسم کے مکان پر پہنچا اور بیرونی حصے کے ایک کونے میں بیٹھ کر آنے جانے والوں کی نگرانی کرنے لگا۔

ابھی اُسے وہاں بیٹھے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک اپاہج شخص گھٹنوں کے بل چلتا ہؤا وہاں پہنچا اور جو خدمت گار پانی چھڑک رہے تھے اُن کے پاس آکر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔" وزیر صاحب کا کیا حال ہے؟ رات کو اُن کے پاس کون آیا تھا؟ کل دفتر میں زیادہ دیر کیوں نہیں ٹھیرے"؟ اس قسم کے سوالات کرتا رہا۔ پھر باورچی خانے کی طرف گیا۔ اور تھوڑی دیر تک باورچیوں کو مذاق کی باتوں سے ہنساتا رہا۔ ساتھ ساتھ اپنے مطلب کی باتیں بھی پوچھتا جاتا تھا۔"رات کو وزیر صاحب نے کیا کھایا"؟"کوئی مہمان آیا تھا یا نہیں"؟"کس قسم کی بحثیں رہیں"؟"فلاں معاملے میں کیا حکم دیا جائے گا"؟

اس قسم کے سوالوں کے جواب حاصل کر کے اُس نے کچھ کھانے کو مانگا اور وہیں بیٹھے بیٹھے کھا پی کر اپنے جسم کو گھسیٹتا اور زمین پر گھٹنے رگڑتا ہؤا باہر چلا۔

قاسم کا مختار کچھ فاصلے سے اس کے پیچھے ہولیا۔ وزیر کے احاطے سے باہر نکل کر یہ اپاہج شخص سیدھا کھڑا ہو گیا اور بھلے چنگے آدمیوں کی طرح چلنے لگا۔

چند قدم چلا ہوگا کہ ایک خادم ملا۔ اس نے کاغذ قلم اور دوات پیش کی۔ اپاہج تھوڑی دیر تک کچھ لکھتا رہا۔ مختار سمجھ گیا کہ وزیر کی نقل و حرکت کی روداد لکھی جا رہی ہے۔ اُلٹے قدموں لوٹ کر وزیر کے پاس پہنچا اور اُسے جاسوس کے متعلق اطلاع پہنچائی۔

دوسرے دن مختار پچھلی رات ہی کو وزیر کے ہاں جا پہنچا اور دو چار غلاموں کے ساتھ جاسوس کا انتظار کرنے لگا۔ اِدھر جاسوس پہنچا اُدھر مختار نے غلاموں کو اشارہ کیا اور جاسوس صاحب پکڑے گئے۔

جب اُسے وزیر کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے پوچھا "تو کون ہے؟"

جاسوس نے جواب دیا "جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔"

قاسم نے کہا "امان دی۔ مگر سچ بولنا۔ اور کوئی بات نہ چھپانا۔"

جاسوس نے کہا "میں فلاں ہاشمی ہوں۔ اور میرا گھر فلاں محلے میں ہے۔ دربارِ خلافت سے پچاس اشرفی ماہانہ کا وظیفہ مقرر ہے۔ کام صرف یہ ہے کہ روزانہ بھیس بدل کر نکلوں اور لوگوں کی روزانہ زندگی کے حالات و واقعات معلوم کر کے لکھ لوں۔ چناں چہ مدت سے یہ فرض انجام دے رہا ہوں۔ جو رُوداد تیار کرتا ہوں اس کے امیرالمومنین تک پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ روزانہ مغرب کی نماز کے وقت قصرِ خلافت سے ایک خادم آتا ہے اور میری رُوداد لے جاتا ہے۔ اسی طرح ہر مہینے کی ۲۹ کو یہی خادم میری تنخواہ مجھے پہنچا جاتا ہے۔"

یہ سُن کر وزیر نے حکم دیا کہ "اسے مکان کے فلاں حصے میں قید کر دو۔"

شام ہوئی تو مختار اُس جاسوس کے محلے میں گیا اور اس کے گھر کے پاس جا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ ٹھیک مغرب کی نماز کے بعد امیرالمومنین کا خادم آیا اور جاسوس کو آواز دی۔ ایک کنیز نے جواب دیا کہ "آج میرا آقا ابھی تک شہر سے نہیں لوٹا ہے اور ہم سب پریشان ہیں۔ کیوں کہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ اس وقت تک گھر نہ پہنچا ہو۔

اللہ ہی جانے کیا قصّہ ہے"؟
مختار بیان کرتا ہے کہ" یہ سُن کر خادم لوٹ گیا۔ مَیں بھی وزیر کی خدمت میں پہنچا اور ساری کیفیت کہہ سُنائی۔
دوسرے دن مَیں پھر اُسی محلّے میں گیا اور جاسوس کے مکان کے قریب سے گزرا تو اندر سے رونے پیٹنے کی آوازیں آئیں۔ اُس کے اعزا و اقربا جمع تھے اور زور شور سے ماتم ہو رہا تھا۔ مَیں تھوڑے سے فاصلے پر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور مغرب کی نماز کا انتظار کرنے لگا۔ اِدھر لوگ نماز سے فارغ ہوئے اُدھر خلیفہ کا خادم وہاں پہنچا اور جاسوس کا حال معلوم کر کے چلا گیا۔ مَیں نے لوٹ کر وزیر کو اطلاع پہنچائی۔ اور اپنے گھر چلا آیا۔"
دوسرے دن جب وزیر امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن کی نظر اس پر پڑی تو قریب بُلا کر کہا "تمھیں ہماری جان کی قسم ہے۔ اُس غریب ہاشمی کو چھوڑ دو۔ اُس پر بڑا احسان ہوگا۔ مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ آیندہ تمھارے پیچھے کوئی جاسوس نہیں لگایا جائے گا۔"
وزیر نے زمین کو بوسہ دیا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اُس نے غصّے کی حالت میں اُس جاسوس کو قتل نہیں کرایا تھا۔ نہ مار پیٹ کی تھی۔ چناں چہ گھر آکر اُس نے جاسوس کو بُلوایا اور بڑا قیمتی خلعت اور انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ اُس دن کے بعد امیرالمومنین تک وزیر کی روزانہ زندگی کے حالات و واقعات پہنچنے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

(۵) حکایت۔ خلیفہ کے فرمان کی چوری

امیرالمومنین متوکل کے وزیر موسیٰ بن عبدالملک نے ایک مرتبہ بیت المال سے ایک بہت بڑی رقم قرض لی تھی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ قرض کی میعاد گزر گئی اور موسیٰ وہ رقم ادا نہ کر سکا۔ اس پر متوکل نے حکم لکھوایا کہ "فوراً قرضے کی رقم ادا کر دو ورنہ وقت آگیا ہے کہ تم کو سزا دی جائے اور بے عزت کیا جائے"

اس حکم پر دستخط کر کے خلیفہ نے اپنے ایک مصاحب عیّاب کے حوالے کیا اور کہا کہ "موسیٰ کو یہ حکم نامہ پہنچاؤ اور رقم کا مطالبہ کرو۔"

ابھی عیاب راستے ہی میں تھا کہ موسیٰ کو خلیفہ کا فرمان نافذ ہونے کی اطلاع پہنچ گئی۔ چناں چہ وہ اِدھر اُدھر آدمی دوڑا کر قرض کے طور پر رقمیں منگوانے لگا۔

ابھی وہ اس طریقے سے رقمیں جمع کر رہا تھا کہ عیاب آپہنچا۔ موسیٰ اُس وقت خس خانے میں بیٹھا ہوا خطوط لکھ رہا تھا اور دو غلام پنکھے جھل رہے تھے۔ عیاب نے آکر سلام کیا اور خلیفہ کا فرمان ایک طرف رکھ کر انتظار کرنے لگا۔ موسیٰ بدستور لکھنے میں مصروف رہا اور اس کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ خس خانے کی خنکی اور ہوا کی تیزی کے اثر سے عیاب کی آنکھ لگ گئی۔

موسیٰ نے اُسے سوتا پایا تو آہستہ سے اُٹھا۔ دبے پاؤں جاکر خلیفہ کا فرمان اُٹھایا اور اُسے کاغذوں میں چھپا کر پہلے کی طرح اپنی جگہ آبیٹھا۔ اتنے میں عیاب کی آنکھ کھلی اور یہ دیکھ کر کہ موسیٰ بدستور لکھنے میں مصروف ہے،

وہ پھر سو گیا۔ اسی طرح کئی مرتبہ اس کی آنکھ کھلی اور کئی مرتبہ نیند آئی۔ آخر وہ اٹھ بیٹھا اور موسیٰ کو مخاطب کر کے کہنے لگا "آپ اب تک لکھنے میں مصروف ہیں۔ اور میرے مطالبے کی طرف توجہ نہیں فرماتے"!

موسیٰ نے پوچھا "تمھارا مطالبہ کیا ہے؟ تم نے تو مجھ سے کچھ بیان نہیں کیا"۔

عیاب نے جواب دیا "امیرالمومنین کا فرمان لے کر آیا ہوں"۔

موسیٰ بولا "امیرالمومنین کا فرمان سر آنکھوں پر۔ لاؤ کدھر ہے"؟

عیاب نے اِدھر اُدھر تلاش کی مگر بے سود۔ فرمان غائب تھا۔ پریشان ہو کر بولا "یہاں رکھا تھا"۔

موسیٰ نے کہا "یہاں کوئی فرمان نظر نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے۔ تم نے خواب دیکھا ہے۔ اسی لیے ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو"

عیاب نے اپنا سر پیٹ لیا اور چلّا کر بولا کہ "فرمان چوری ہوا ہے۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے یہاں رکھا تھا۔

موسیٰ نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ "لکھ لو کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر ان کے پاس واقعی کوئی فرمان تھا تو یہ اسے یہاں لے کر نہیں آئے، بلکہ راستے ہی میں کہیں گرا آئے ہیں"۔

اب عیاب کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ وہ عبداللہ بن خاقان کے پاس جائے اور سارا واقعہ سُنا کر امداد کی درخواست کرے۔ چناں چہ وہ عبداللہ کی خدمت میں پہنچا اور اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ عبداللہ اُسے متوکل کے پاس لے گیا اور تمام واقعہ دہرایا۔

متوکل بہت ہنسا اور بولا "عیاب کو خوب دھوکا دیا"۔

یہ کہہ کر حکم دیا کہ "موسیٰ کو بلاؤ" جب وہ حاضر ہوا تو متوکل نے سوال کیا۔
"یا موسیٰ! تم نے فرمان چرایا ہے"؟
موسیٰ نے جواب میں عرض کی "یا امیرالمومنین! نصف رقم نقد جمع کر چکا ہوں۔ اور اسی وقت خزانے میں بھجوا رہا ہوں۔ باقی نصف رقم پانچ روز تک پہنچا دوں گا"۔
یہ کہہ کر اُس نے امیرالمومنین کا حکم نامہ نکالا اور سامنے رکھ دیا۔
متوکل نے اس دل چسپ حرکت کی بنا پر اُس کا قصور معاف کر دیا اور موسیٰ کی طرف سے اُس کا دل صاف ہو گیا۔

---

(۶) حکایت سلیمان بن وہب کی ایک دل چسپ عادت

سلیمان بن وہب (وزیر بغداد) کی عادت تھی کہ آج کسی شخص کو مُلک کے کسی ضلع کا عامل بنا کر بھیجتا اور دوسرے دن کوئی اور اُمیدوار آجاتا تو اُسے بھی اسی جگہ کے لیے نامزد کر کے پہلے کو معزول کر دیتا۔
ایک دن بغداد کا ایک معزز شخص، جو بہت خوش مزاج مشہور تھا، اُس کی خدمت میں ملازمت کی درخواست لے کر آیا۔ سلیمان نے اُسے کسی ضلع میں کوئی عہدہ عطا کر کے ملازمت کا پروانہ لکھ دیا۔
جس وقت وہ سلیمان کا شکریہ ادا کر کے جانے لگا تو بولا "ایک بات تنہائی میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اجازت ہو تو عرض کروں"۔
سلیمان نے جواب دیا "ضرور کہو"۔
اُس شخص نے سلیمان کے کان میں کہا "یہ تو فرمائیے کہ میں صرف

جانے کے لیے گھوڑا کرایے پر لوں یا واپس آنے کے لیے بھی ساتھ ہی طے کرلوں۔"
سلیمان بہت ہنسا اور اُس نے کبھی اُس کی معزولی کا حکم نہ بھجوایا بلکہ اس شخص کے مذاقیہ فقرے کا اتنا اثر لیا کہ آیندہ کے لیے اپنی یہ عادت یک قلم ترک کر دی۔

---

(۷) حکایت ۔ وزیر کی تدبیر

ایک دن معتضد کا وزیر قاسم بن عبداللہ سوار ہوکر دربارِ خلافت میں جا رہا تھا۔ محل کے دروازے پر پہنچا تو اُس کے ایک مصاحب نے عرض کی کہ "آپ کی آستین پر زعفران کا دھبّا نظر آتا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ لباس پر داغ دھبّا ہونا بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔"
وزیر کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ لوٹ کر گھر جائے اور کپڑے بدل کر آئے۔ "بولا زعفران کے دھبّے کو روشنائی سے سیاہ کر دو۔ کیوں کہ وزیروں کے لباس پر دوات کی سیاہی کا دھبہ نظر آنا عیب کی بات نہیں۔"
حاضرین اُس کی دانائی پر حیران رہ گئے۔

---

(۸) حکایت ۔ عبادت اور اطاعت

سُلطان طغرل کا وزیر ابو منصور ربانی بڑا دانا، نیک اور خُدا ترس آدمی تھا۔ اس کی ایک اچھی عادت یہ تھی کہ مُنھ اندھیرے فجر کی نماز سے فارغ ہوکر مصلّے پر بیٹھا ہوا وظیفہ پڑھتا رہتا اور جب تک آفتاب کی روشنی اچھی

طرح نہ پھیل جاتی اپنی جگہ سے نہ ہلتا۔

ایک دن کسی بہت ضروری کام کی وجہ سے سلطان نے علی الصباح یاد فرمایا۔ خادم دوڑے ہوئے ابومنصور کے گھر پہنچے۔ دیکھا کہ وہ مصلّے پر بیٹھا وظیفہ پڑھ رہا ہے۔ انھوں نے اشاروں سے کہا کہ سلطان بلا رہا ہے مگر وزیر نے قطعاً پروا نہ کی۔ شاہی خادم تنگ آکر چلے گئے۔ اور سلطان سے جاکر شکایت کی کہ "وزیر صاحب بادشاہ سلامت کے فرمان کی پروا نہیں کرتے اور یہ عادت نئی نہیں ہے۔ کئی مرتبہ پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے"

یہ سن کر سلطان کے غصّے کی آگ بھڑک اٹھی اور جب خواجہ وظیفے سے فارغ ہو کر دربار میں پہنچا تو اس نے انتہائی غصّے سے چلّا کر پوچھا "دیر میں کیوں آئے ہو؟"

ابومنصور نے جواب دیا "بادشاہ سلامت! میں پہلے خدا کا بندہ ہوں اس کے بعد آپ کا خادم۔ جب تک پہلے خدا کی عبادت سے فارغ نہیں ہو لیتا تب تک آپ کی اطاعت کے قابل نہیں ہوتا"

یہ سن کر سلطان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے خواجہ کی تعریف کی اور کہا "ہمیشہ خدائے تعالےٰ کی عبادت کو ہماری خدمت پر مقدّم رکھو! تاکہ اس کی برکت سے ہمارا بھلا ہو"

---

(۹) حکایت۔ نظام الملک اور دو ہزار غلام

جب نظام الملک کو سلطان ملک شاہ کی خدمت میں بے انتہا رسوخ حاصل ہو گیا تو دوسرے لوگ حسد کرنے لگے اور وقتاً فوقتاً اس کی

طرف سے سُلطان کو بھرنے لگے۔

ایک مرتبہ خواجہ کے دشمنوں نے سلطان کو یہ کہہ کر بھڑکایا کہ "اس کے پاس دو ہزار غلام موجود ہیں۔ اور وہ بغاوت و سرکشی کا ارادہ رکھتا ہے۔"

خواجہ نظام الملک کو اس شکایت کا حال معلوم ہوا تو اُس نے سُلطان کی ضیافت کی۔ اور جب وہ کھانے سے فارغ ہو چکا تو خواجہ نے بخشی فوج کو مخاطب کرکے کہا "میرے دو ہزار زر خرید غلاموں کے نام سُلطانی فوج کے رجسٹر میں لکھ لینا۔ میں ان کو سُلطان کی نذر کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر خواجہ سُلطان کے پاس گیا اور عرض کی کہ "حضور کو یاد ہوگا ایک مرتبہ بعض مخالفوں نے میرے دفتر میں آکر میری توہین کی تھی۔ اور جب میں نے حضور سے شکایت کی تو حضور نے فرمایا تھا کہ تجھے اتنے غلام رکھنے چاہییں کہ اگر کمینے لوگ تجھ پر زیادتی کریں تو تو اُن کو سزا دے سکے۔ چناں چہ حضور کے اس حکم کے مطابق میں نے یہ غلام خریدے تھے۔ جن کو آج میں اپنے بادشاہ کی نذر کرتا ہوں۔"

---

(۱۰) حکایت۔ ہر چہ گیرید مختصر گیرید!

علی بن ہاشم بیان کرتا ہے کہ دُنیا کی جو عجیب چیزیں میری نظر سے گزری ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ مامون کا وزیر حسن بن سہل اپنی ضروریاتِ زندگی کا تمام سامان صرف ایک زنبیل میں رکھتا تھا۔ میں نے ایک دن جھانک کر دیکھا تو دو جوڑے کپڑے، دو جوڑی موزے، ایک شلوار، اور ایک اصطرلاب نظر آئی۔ شاید کچھ چیزیں اور ہوں۔

یں نے وزارت کا عہدہ ملنے کے بعد بھی جب کہ اُس کا سامان اُٹھانے کے لیے ایک ہزار اونٹ بھی کم ہوتے تھے، اس زنبیل کو ہمیشہ ساتھ دیکھا۔ اسی طرح اس کے بھائی فضل بن سہل کے ساتھ بھی ایک زنبیل ضرور رہتی تھی۔ باوجود اس کے کہ اس کے اسباب کے لیے بھی ایک ہزار اونٹ ناکافی ہوتے تھے۔ فرق اتنا تھا کہ اُس کی زنبیل میں پیٹ کی دوائیں رہتی تھیں۔

---

(۱۱) حکایت

جس طرح کا بھی کسی میں ہو کمال اچھا ہے!

خلیفہ مروان کے قتل کے بعد اس کا وزیر عبدالحمید، موذن بعلبک اور سلام تینوں گرفتار کر لیے گئے تھے۔

جب اُن کو امیرالمومنین منصور کے سامنے لایا گیا تو اُس نے تینوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ سلام نے عرض کی "یا امیرالمومنین! مجھے قتل نہ کرائیے، کیوں کہ میں اللہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہتا ہوں۔"

منصور نے پوچھا "تمھارے اللہ۔اللہ کرنے کا اثر کس حد تک ہوتا ہے؟"

قاری نے جواب دیا "اس حد تک کہ اگر ایک اونٹ کو آپ تین دن اور تین رات پیاسا بندھا رکھیں پھر اُسے پانی پلانے لے جائیں اور اُس کا منھ پانی کو چھونے کے قریب ہو، اُس وقت اگر میں اللہ۔اللہ کہنا شروع کر دوں تو اونٹ پانی نہیں پیے گا۔"

یہ سُن کر منصور نے اس کی آزمائش کی۔ ذاکر کی بات سچ نکلی۔ چناں چہ اُس کی نہ صرف جان بخشی کی گئی۔ بلکہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا گیا۔

قاری کے بعد بعلبک موذن کو پیش کیا گیا۔ اُس نے بھی قاری کی طرح درخواست کی کہ مجھے قتل نہ کیجیے۔ کیوں کہ مجھ سا دُوسرا موذن آپ کو نہیں ملے گا۔"

منصور نے دریافت کیا "تمھاری موذنی کا کمال کیا ہے"؟

بعلبک نے جواب دیا۔" یہ کہ اگر کوئی شخص لوٹا لیے آپ کے ہاتھ دُھلا رہا ہو اور میں اذان دینی شروع کردوں تو لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا اور وہ بے خود ہوجائے گا۔ یہاں تک کہ جب تک میں اذان ختم نہ کرلوں گا وہ آپ کے ہاتھ نہ دُھلا سکے گا۔"

منصور نے اس کا بھی امتحان کیا۔ اور کام یاب پایا تو اُسے بھی رہا کرکے اُس کا وظیفہ مقرر کردیا۔

آخر میں عبدالحمید وزیر کو سامنے لایا گیا۔ اُس نے بھی عرض کی کہ "یاامیرالمومنین مجھے قتل نہ کیجیے۔ کیوں کہ مجھ سا مدبر، عقل مند، اور انشا پرداز پھر پیدا نہ ہوگا۔"

منصور نے جواب دیا "بے شک، تو ایک تحریر سے دُنیا کو زیروزبر اور ایک مشورے سے ہماری خلافت کو درہم وبرہم کرسکتا ہے۔ تونے اب تک جو کچھ کیا، کہا، اور لکھا اس میں کوئی خرابی نہ تھی۔ لیکن چوں کہ مروانیوں کی حکومت پر زوال آچکا تھا، اس لیے تیری کوششیں بارآور نہ ہوئیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے حکم دیا کہ اسے قتل کردیا جائے۔

---

(۱۲) حکایت۔ ہر کمالے رازوالے!

امیرالمومنین مامون نے فضل بن ربیع کا قصور تو معاف کردیا مگر اس کی

بے عزتی کرنے پر بدستور کمر بستہ رہا چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ "فضل بن ربیع دربار میں آئے تو کوئی شخص اُس کی تعظیم نہ کرے۔ اور وہ سب سے پیچھے خادموں کی صف میں بیٹھا کرے۔"

فضل بہ درجۂ مجبوری اس حکم کی تعمیل کرتا اور خادموں کے پاس آکر بیٹھ جاتا۔ ع

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

وہ برسوں تک وزیر رہا تھا اور مخلوق کی نظر میں عزت و عظمت رکھتا تھا۔ کیوں کہ ہر کس و ناکس پر اُس کے احسانات تھے۔

جب اُسے لوگوں کے جوتوں کے پاس بیٹھنے کا حکم دیا گیا تو ماموں کے امیروں اور مصاحبوں نے عرض کی "امیرالمومنین! فضل آپ کے والد کا وزیر رہ چکا ہے اور پچاس برس تک بڑی شان و شوکت سے زندگی بسر کرتا رہا ہے۔ اب تک صدہا دلوں میں اس کی عزت اور ہزاروں آنکھوں میں اُس کی عظمت باقی ہے۔ اب حضور نے اسے ایسی جگہ بیٹھنے کا حکم دیا ہے جہاں ہم لوگ جوتے اُتارتے ہیں۔ یہ سزا کتنی ہی مناسب کیوں نہ ہو لیکن اس کی وجہ سے آپ کے تمام درباریوں کی عزت خطرے میں ہے۔ کیوں کہ جب ہم لوگ اندر آتے ہیں تو فضل کی دل دہی اور تسلی کے لیے ہمیں تھوڑی دیر اُس کے پاس بیٹھنا پڑتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ کے مصاحبوں کا جوتیوں کے قریب بیٹھنا دربار کے قواعد کے سخت خلاف ہے۔"

امیرالمومنین نے پوچھا "تو اب کیا چاہتے ہو؟"

عبداللہ طاہر نے جواب دیا "یہ کہ اب آپ اسے بے عزت نہ کریں۔ جو مال و اسباب اس سے چھینا گیا ہے وہ اسے واپس کر دیا جائے۔ اور امیرالمومنین

اس کی طرف سے اپنا دل صاف کرلیں۔"

امیرالمومنین نے کہا "اچھا تم لوگوں کی خاطر حکم دیتا ہوں کہ اس کا ضبط شدہ سرمایہ واپس کردیا جائے۔ رہا دربار کی نشست کا سوال۔ اتنی ترمیم کرتا ہوں کہ آیندہ وہ اوسط درجے کے خادموں میں بیٹھ سکتا ہے۔"

اُس روز فضل بن ربیع لوٹ کر گھر پہنچا تو کسی نے اسے اطلاع دی کہ "آج عبداللہ بن طاہر نے تمھارے حق میں بہت زوردار سفارش کی ہے اور امیرالمومنین نے حکم دیا ہے کہ تمھارا مال و اسباب واپس کردیا جائے۔ اور جب تم دربار میں آیا کرو تو دو خادم گھوڑوں پر سوار ساتھ رہا کریں۔ نیز یہ کہ معقول جگہ پر بیٹھا کروگے۔"

دوسرے روز عبداللہ دربارِ خلافت سے اُٹھ کر اپنے مکان کی طرف جارہا تھا کہ فضل نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور اُس کے گھوڑے کی رکاب پکڑ کر ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اُس کا شکریہ ادا کیا اور بولا "امیر کو معلوم ہے کہ میرے پاس نہ تو مال و دولت ہے کہ اس کے ذریعے سے آپ کا حق ادا کرسکوں۔ نہ کوئی مرتبہ حاصل ہے کہ کسی قسم کی خدمت انجام دے سکوں۔ لیکن ایک چیز ان دونوں سے زیادہ قیمتی تھی اور میں اُس پر قدرت بھی رکھتا تھا۔ آپ کا شکر ادا کرنے کے سلسلے میں میں نے آج اُسے قربان کردیا ہے۔"

اب عبداللہ کا مکان آچکا تھا۔ وہ گھوڑے سے اُترنے لگا تو فضل بولا "وہ چیز یہ ہے کہ میں آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اُس کے ساتھ ساتھ آپ کے مکان تک آیا ہوں۔ یہ تعظیم اور عزت میں نے اپنی ۵۰ سالہ زندگی میں خلیفہ کے ولی عہد کی بھی نہیں کی ہے۔"

عبداللہ بن طاہر نے جواب دیا "میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ اور آیندہ ہمیشہ ہر خدمت کے لیے تیار رہوں گا۔"

باب پانزدہم

در مواعظِ علما و حکما

(۱) حکایت ۔ دوزخ کا دربان

ایک مرتبہ شقیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ ہارون الرشید سے ملنے گئے ۔ ہارون نے پوچھا "شقیق زاہد تمھی ہو؟"

شقیق نے جواب دیا "میں تو شقیق بلخی ہوں زاہد تم ہو"!

ہارون نے پوچھا "میں زاہد کیوں کر ہوں؟"

شقیق نے جواب دیا "زاہد وہ ہوتا ہے جو تھوڑے پر صبر کرے۔ میں نے دُنیا چھوڑ دی ہے اور مجھے جنّت کے جلوے لہلہاتے نظر آتے ہیں۔ پھر بھی میری زبان ہل من مزید کے نعرے لگانے میں مصروف ہے۔ پھر میں زاہد کس طرح ہوا؟ البتہ تم زاہد ہو کہ اس مردار اور خوار و بے قرار دُنیا پر صبر کیے ہوے ہو اور آخرت کی بے پایاں جنّتوں سے بے نیاز ہو"۔

ہارون نے کہا "مجھے کچھ نصیحت کیجیے"!

شقیق نے جواب دیا "خُدائے تعالےٰ نے تمھیں صدیق کی جگہ بٹھایا ہے۔ تم سے صدق چاہتا ہے۔ عمر کی جگہ بٹھایا ہے۔ سختی اور انصاف چاہتا ہے۔ عثمان کی جگہ بٹھایا ہے، حیا، حلم، اور سخاوت چاہتا ہے، مرتضٰی کی جگہ بٹھایا ہے اور تم سے

انصاف اور علم چاہتا ہے۔"

ہارون نے کہا "کچھ اور کہو"!

جواب دیا "خدائے تعالٰے نے ایک جگہ بنائی ہے جسے دوزخ کہتے ہیں۔ تمھیں اُس جگہ کا دربان مقرر کر کے تین چیزیں عطا کی ہیں۔ اوّل بیت المال دُوسرے تلوار، اور تیسرے تازیانہ۔ اور تمھیں حکم دیا ہے کہ ان تینوں چیزوں کی مدد سے مخلوق کو اس جگہ جانے سے روکو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو شخص خُدا کے حکم کے خلاف کرے اُسے تازیانے سے سزا دو۔ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے اُسے تلوار سے قتل کر دو۔ اور جو شخص محتاج اور غریب ہو جائے اُسے بیت المال سے اُس کا حصّہ دلاؤ۔ اگر اس پر عمل نہ کرو گے تو اس جگہ میں داخل ہونے والے پہلے شخص تم ہو گے۔ باقی لوگ تمھارے پیچھے آئیں گے۔"

ہارون نے کہا "کچھ اور نصیحت کرو"!

شقیق نے جواب میں کہا "تم چشمے کی طرح ہو اور دُوسرے اہل کار ندیوں کی مانند۔ صاف چشمے سے جو پانی پھوٹ کر آتا ہے، ندیاں اسے گدلا نہیں کر سکتیں۔"

ہارون بہت رویا۔ اور شقیق بلخی کو بڑی عزّت اور تعظیم سے رخصت کیا۔

---

(۲) حکایت۔ ایک مختصر نصیحت

کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو سالم سندی جو اپنے

عہد کے بہت بڑے زاہد اور عمر بن عبدالعزیز کے گہرے دوست تھے، اُن سے ملنے آئے۔

عُمر نے کہا "یا سالم! میری خلافت سے تمھیں خوشی ہوئی یا غم"؟

سالم نے جواب دیا "مخلوق کے لحاظ سے خوشی ہوئی اور تمھاری خاطر غم"!

عمر بن عبدالعزیز نے کہا "مجھے کچھ نصیحت کرو"۔

سالم نے پوچھا "نصیحت لمبی چوڑی ہو یا مختصر"؟

عمر نے کہا "مختصر"۔

سالم نے جواب دیا "تم جانتے ہو کہ آدم تمام مخلوق کا باپ تھا مگر اُسے صرف ایک غلطی پر بہشت سے نکال دیا گیا"۔

عُمر نے کہا "کافی ہے۔ بہت مختصر نصیحت کی"۔

اور اُنھوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں تمام غلطیوں سے پرہیز کیا۔

---

(۴۳) حکایت۔ حقیقت کی دُنیا

فضل بن ربیع بیان کرتا ہے کہ ایک سال ہارون الرشید حج کرنے گیا تھا۔ جب فریضۂ حج سے فارغ ہو چکا تو ایک رات مجھ سے بولا "یہاں خُدا کا کوئی خاص بندہ بھی ہے؟ اگر ہو تو میں اُس کی زیارت کرنی چاہتا ہوں"۔

میں نے مکّے والوں سے معلوم کر کے جواب دیا کہ "عبدالرزاق صنعانی ہے"۔

بولا "مجھے اس کے پاس لے چل"!

ہم عبدالرزاق کے پاس پہنچے اور تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے۔ لوٹتے وقت خلیفہ نے مجھے اشارہ کیا کہ "اس سے پوچھو کسی کا قرضہ تو نہیں دینا ہے"؟

میں نے عبدالرزاق سے پوچھا تو اُس نے جواب دیا "ہاں دینا ہے"۔

ہارون نے حکم دیا کہ "ہماری طرف سے تمام قرضہ ادا کر دیا جائے"۔

اس کا قرضہ ادا کر کے باہر نکلے تو ہارون بولا "طبیعت سیر نہیں ہوئی کسی اور بزرگ سے ملنے کی خواہش ہے"۔

معلوم ہوا کہ سفیان بن عتبہ یہیں موجود ہے۔ ہارون بولا "چلو اُس کے پاس چلیں"۔

چناں چہ ہم سفیان کے پاس پہنچے۔ وہ ہر قسم کی باتیں کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بیٹھے ہوں گے کہ ہارون نے مجھ سے کہا "اُن سے بھی دریافت کرو کہ اُن پر کسی کا قرض تو نہیں"؟

سفیان نے اشارے سے بتایا کہ "قرض ہے"۔

ہارون نے حکم دیا کہ "ان کا قرض بھی ادا کر دو"!

وہاں سے رخصت ہوئے تو ہارون نے پھر کہا "یہاں بھی طبیعت نہیں بھری"۔

کسی نے کہا "فضیل بہت پہنچا ہوا فقیر ہے"۔ ہارون بولا "چلو اس کی زیارت کر آئیں"۔

چناں چہ ہم فضیل کی خدمت میں پہنچے۔ اندر سے کسی نے پوچھا "کون ہے"؟

ہم نے جواب دیا "امیرالمومنین"۔

آواز آئی "مجھے امیر المومنین سے کیا مطلب"؟

میں نے جواب دیا "خدائے تعالے کی خوشنودی اور شفاعت کی خاطر حاضر ہوئے ہیں"۔

فضیل نے یہ سُن کر دروازہ کھولا اور ایک کونے میں جا بیٹھا۔ امیر المومنین نے کہا "یا فضیل مجھے نصیحت کرو"!

فضیل نے جواب دیا "امیر المومنین! تمھارے دادا پیغمبر صلعم کے چچا تھے انھوں نے پیغمبر صلعم سے درخواست کی کہ "مجھے کسی قوم کی سرداری بخشیے"!

آنحضرت صلعم نے جواب دیا "چچا، میں آپ کو آپ ہی پر سردار مقرر کرتا ہوں، یعنی اگر آپ کا نفس خدا کی عبادت میں تھوڑا سا وقت صرف کرے تو یہ اُس سے کہیں بہتر ہو کہ آپ ہزار سال تک اس کی مخلوق کی عبادت اور اطاعت کریں۔ پھر کہنے لگا "امیر المومنین تمھیں قیامت کے دن شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا"۔

یہ سُن کر ہارون رونے لگا۔ پھر بولا "یا فضیل! تمھیں کسی کا قرض تو نہیں دینا"؟

فضیل نے جواب دیا "قرض تو دینا ہو مگر خدا کا قرض دینا ہو کیوں کہ میں نے اس کی عبادت میں بہت کوتاہی کی ہو۔ اور اگر اُس نے مجھ سے اپنے اس قرض کا مطالبہ کیا تو میں کیا جواب دوں گا"؟

ہارون نے کہا "میں مخلوق کے قرضے کی بابت پوچھ رہا ہوں"۔

فضیل بولا "الحمدللہ، مجھے خدا سے کوئی شکایت نہیں ہو کہ اس کی مخلوق سے قرض لینے کی ضرورت پڑے"۔

ہارون روتا ہوا اُس کے پاس سے اُٹھا اور باہر آکر مجھ سے بولا۔

"فضیل نے حقیقت کی دُنیا پر قبضہ کرلیا ہے۔ اسی لیے دُنیا پر لات مارے بیٹھا ہے اور مخلوق سے بے نیاز اور بے پروا ہے۔"

---

(۴) حکایت۔ ابراہیم ادہم کی نصیحتیں

ایک بوڑھے شخص نے شیخ ابراہیم ادہم کی خدمت میں عرض کی کہ "میں بہت گنہ گار اور بدکردار ہوں۔ لاکھ چاہتا ہوں کہ گنہ نہ کروں۔ مگر اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا۔ مہربانی فرماکر مجھے کوئی ایسی نصیحت کیجیے کہ اس سے میرا دل نرم پڑ جائے اور میری یہ بُری عادت جاتی رہے۔"

ابراہیم ادہم نے جواب دیا "جس وقت تم گنہ کرنا اور خدا کے گنہ گار بننا چاہو۔ اس وقت ارادہ کرلو کہ اب خُدا کا رزق نہ کھاؤ گے۔"

بوڑھے نے پوچھا "اگر خُدا کا رزق نہ کھاؤں تو پھر کیا کھاؤں"؟

فرمایا "پھر یہ کتنی بُری بات ہے کہ تم خُدا کا رزق کھاؤ اور اُس کا حکم نہ بجالاؤ!"

بوڑھے نے درخواست کی "ایک نصیحت اور کیجیے۔"

شیخ نے جواب میں کہا "جس وقت کوئی گناہ کرنا چاہو۔ خُدا کی زمین پر نہ رہو۔ بلکہ اس سے باہر نکل جاؤ۔"

بوڑھے نے کہا "یہ تو اُس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اگر میں اُس کی زمین پر نہ رہوں تو کہاں جاؤں"؟

شیخ نے فرمایا "پھر یہ کتنی بُری بات ہے کہ تم اُس کا رزق کھاؤ، اُس کی زمین میں رہو اور اُس کا کہنا نہ کرو۔"

بوڑھے نے عرض کی "کوئی اور نصیحت کیجیے"۔

ابراہیم ادہم نے جواب دیا "جب کبھی گناہ کرو، ایسی جگہ چھپ کر کرو کہ خدا تمھیں نہ دیکھ سکے"۔

بوڑھا بولا "یہ تو سب سے زیادہ مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ خدا آنکھوں کے بغیر دیکھ سکتا ہے اور کائنات کی کوئی چیز اور کوئی حرکت اس کی نظر سے چھپی ہوئی نہیں ہے"۔

ابراہیم ادہم نے فرمایا "پھر یہ کس قدر بُری حرکت ہے کہ تم اُس کا رزق کھاؤ اُس کی زمین میں رہو، اور گناہ اس طرح کرو کہ وہ تمھیں دیکھ لے"۔

بوڑھے نے پوچھا "چوتھی نصیحت کیا ہے"؟

فرمایا "جس وقت موت کا فرشتہ تمھارے پاس آئے تو اُس سے کہنا کہ مجھے اتنی مہلت دے کہ میں توبہ کرسکوں اور قیامت کی تیاری سے فارغ ہوسکوں"۔

بوڑھے نے جواب دیا "وہ میری بات نہ مانے گا"۔

شیخ نے فرمایا "تم جانتے ہو کہ موت کو کسی طرح ٹالا نہیں جاسکتا۔ پھر کیسے معلوم کہ عین گناہ کی حالت ہی میں موت آجائے"۔

بوڑھے نے کہا "یا شیخ، یہ نصیحتیں میرے لیے بہت کافی ہیں"۔

کہتے ہیں اُس دن کے بعد یہ شخص اتنا نیک ہوگیا کہ اپنے زمانے کے مشہور عابدوں اور زاہدوں میں گنا جانے لگا۔

---

(۵) حکایت ۔ دولت اور نیکی

نیشاپور کا سپہ سالار ابوالعباس، شیخ ابو علی وقاق رحمتہ اللہ علیہ کا بہت معتقد تھا۔ ایک مرتبہ شیخ اُس کے پاس گئے تو اُس نے بہت تعظیم کی اور اور اُن کے سامنے دو زانو ہو بیٹھا۔

شیخ نے فرمایا "ایک بات کا جواب دو گے"؟

ابوالعباس نے کہا "فرمائیے"۔

شیخ نے فرمایا "تم مال و دولت کو دوست رکھتے ہو جو یہیں رہ جائے گا۔ اور عمل صالح کو دشمن سمجھتے ہو جو تمھارے ساتھ جائے گا۔ اس کی کیا وجہ ہے"؟

ابوالعباس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اُس نے جواب دیا "بہت خوب فرمایا۔ اس ایک فقرے میں دُنیا بھر کی نصیحتیں بند ہیں"۔

---

(۶) حکایت ۔ نیکی اور بدی

نوشیرواں کے دربار میں دو شخص آئے اور دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے بلند آواز میں کہا "بُرائی مت کر، بُرائی کی بات مت سوچ کہ تجھے بُرائی نہ پیش آئے"۔

دوسرے نے پکار کر کہا "نیکی کر، نیکی کی باتیں سوچ، تاکہ نیکی حاصل ہو"۔

نوشیرواں نے حکم دیا کہ "پہلے کو ایک ہزار اور دوسرے کو دو ہزار دینار دے دیے جائیں"۔

مصاحبوں نے سوال کیا کہ "دونوں فقروں کے معنی ایک ہیں پھر

حضور نے انعام میں فرق کیوں کیا"؟

نوشیرواں نے جواب دیا "ایک نے صرف نیکی کی ہدایت کی اور دوسرے نے بدی کا تذکرہ کیا۔ اس لیے پہلے کو زیادہ انعام دیا گیا۔"

---

(۷) حکایت۔ قاضیِ بغداد پر منصور کی چوٹ

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ منصور قاضیِ بغداد کے مکان کی طرف جا نکلا۔ دیکھا کہ بڑا شان دار مکان ہے قیمتی فرش بچھے ہیں اور بے شمار نوکر چاکر جمع ہیں۔ منصور نے وضو کے لیے پانی مانگا۔ قاضی نے لوٹا منگوا دیا اور منصور وضو کرنے لگا۔

قاضی نے دیکھا کہ کہنیوں تک ہاتھ دھونے کی بجائے منصور نے بازووں کو بھی دھونا شروع کر دیا ہے۔ چلّا کر بولا "شیخ! یہ کیا اسراف ہے؟ پانی کو فضول کیوں بہا رہے ہو"؟

منصور نے جواب دیا "حلال پانی گرانا تو اسراف ہو گیا اور یہ اتنا بڑا محل، یہ ساز و سامان، یہ نوکر چاکر، جن کا خرچ خُدا ہی جانے کہاں سے آتا ہے، یہ اسراف نہیں؟

تمھاری ذات کے لیے ایک دری، اور ایک خدمت گار کافی ہے۔ پھر یہ قیمتی ساز و سامان اور خادموں کا لشکر کیوں رکھ چھوڑا ہے"؟

یہ سُن کر قاضی غفلت کی نیند سے چونکا اور دُنیا کو چھوڑ کر آخرت کا سامان جمع کرنے لگا۔

---

(۸) حکایت۔ ”اہلِ تدبیر کی واماندگیاں“!

کہتے ہیں کہ امیرالمومنین مہدی کے زمانے میں ایک سال بہت سخت قحط پڑا۔ مہدی نے روک تھام کی انتہائی کوشش کی، غلّے کے کھتّے کھلوا دیے۔ خزانے خالی کر دیے، مگر مخلوق کی مصیبتوں کا خاتمہ نہ ہُوا۔

ایک دن مہدی گاؤ تکیے کے سہارے لیٹا ہُوا خادموں سے معمول کے مطابق جسم دبوا رہا تھا، مگر نیند نہ آتی تھی۔ ایک خادم سے کہا ”کوئی بات سُنا“

خادم نے جواب دیا ”یا امیرالمومنین، ہم جاہلوں کی بات آپ کے سُننے کے قابل نہ ہوگی“

مہدی نے کہا ”جو کچھ جی میں آئے کہہ ڈال“

خادم بولا ”حضور! کہتے ہیں کہ ہندستان کے کسی جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ پاس پڑوس میں بھانت بھانت کے درندے آباد تھے۔ دونوں وقت جنگل کے بادشاہ کی حاضری بجالاتے اور اُس کے بچے کُھچے ٹکڑوں سے اپنے پیٹ کی آگ بجُھا لیتے تھے۔

ایک دن ایک لومڑی اپنے ننھے سے بچّے کو لیے ہوئے آئی اور شیر سے بولی ”حضور! ہمارے بادشاہ اور ہم سب آپ کی رعایا ہیں۔ رعایا کی رعایت بادشاہ پر فرض ہوتی ہے۔ میں ایک لمبے سفر پر جا رہی ہوں۔ میرا یہ بچّہ ساتھ نہیں دے سکتا اور اس کے دشمن یہاں بہت ہیں، اس لیے اسے آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی ہوں کہ کچھ دن آپ اسے اپنے پاس رکھیں اور اس کی ہر طرح حفاظت کریں“

شیر نے کہا ”بہت اچھا“

یہ سن کر لومڑی تو سفر پر چلی گئی اور شیر اُس بچے کی حفاظت اور پرورش کرنے لگا۔

ایک دن شیر لومڑی کے بچے کو اپنی پیٹھ پر بٹھائے کھلا رہا اور جھولا جھلا رہا تھا کہ اتنے میں ہوا سے ایک عقاب نے جھپٹا مارا اور لومڑی کے بچے کو پنجے میں اُٹھا کر لے گیا۔ شیر ہوا میں اُڑنے سے رہا۔ آسمان کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

چند روز بعد لومڑی سفر سے واپس ہوئی تو سیدھی شیر کی خدمت میں پہنچی اور اپنا بچہ مانگا۔

شیر نے کہا "بہت افسوس ہو کہ اسے عقاب اُٹھا کر لے گیا۔"

لومڑی بولی "مگر آپ نے تو اُس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا؟"

شیر نے جواب دیا "بے شک، میں نے زمین والوں سے حفاظت کا وعدہ کیا تھا، آسمانی بلاؤں سے بچانے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔"

مہدی نے یہ کہانی سُنی تو اُٹھ بیٹھا اور رونے لگا۔ پھر بولا "الٰہی زمین سے اُٹھنے والی مصیبتوں کو تو اپنی طاقت کے مطابق دفع کرنے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن قضائے آسمانی اور قدرتِ یزدانی کو بدلنا بندوں کے بس کی بات نہیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے ہزاروں رُپے خیرات کیے اور بیسیوں نذریں مانیں۔

---

(۹) حکایت۔ حاتمِ اصم کی چار نصیحتیں

حاتم اصم سے اُس کے ایک مُرید نے عرض کی "مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔"

حاتم اصم نے جواب میں کہا "چار چیزوں سے بچو، اوّل یہ کہ کسی ایسے

شخص کو ناراض نہ کرو۔ جسے خوش کرنے کی آیندہ کبھی ضرورت پیش آئے۔ دوسرے یہ کہ اُس عمارت کو نہ اُجاڑو جس کی تعمیر کی آیندہ احتیاج ہو۔ تیسرے یہ کہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ کہو، جس کے لیے بعد کو معذرت کرنی پڑے اور چوتھے یہ کہ دُنیا کی روشنی میں کسی مسلمان کا دل نہ دُکھاؤ۔ تاکہ قبر کے اندھیرے سے تکلیف نہ اُٹھاؤ۔"

---

(۱۰) حکایت۔ حسن بصری کا پیغام عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے نام

جب عمرؒ ابن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے اور اُن کی پرہیزگاری، نیکی اور انصاف کی شہرت دُور دُور پھیلنے لگی تو اُنھوں نے خواجہ حسن بصری کو خط لکھا کہ "میرے دوست! تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے ایک بہت مشکل کام اپنے ذمے لے لیا ہی۔ اس کام کی مصروفیت اس درجے بڑھی ہوئی ہو کہ خُدا کی عبادت اور اطاعت میں کمی ہونے لگی ہو۔ اور اگر خُدائے تعالےٰ کی بخشش اور کرم نے توجہ نہ فرمائی تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔ بنابریں مجھے کچھ نصیحت کرو جس سے مجھے فائدہ ہو۔ دوسری گزارش یہ ہو کہ کسی ایسے بزرگ کو میرے پاس روانہ کرو جس کی صحبت سے مجھے دلی راحت پہنچے۔"

خواجہ حسن بصری نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ "امیرالمومنین کا خط پہنچا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ تم نے لکھا ہو کہ ایک بزرگ کو تمھارے پاس بھجواؤں جس کی صحبت سے تمھیں راحت ہو۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جن خوبیوں کا آدمی تمھیں مطلوب ہی، اگر وہ انھی خوبیوں کا ہوگا تو تمھارے پاس نہیں آئے گا۔ کیوں کہ دُنیا سے بے نیاز ہوگا۔ اور جو شخص تمھارے پاس آنے کو تیار ہوگا وہ تمھارے

لیے بے کار ہوگا۔ کیوں کہ ہر بات میں تمھاری سی کہے گا۔ اور اس طرح تمھیں اُس کی صحبت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

رہا یہ امر کہ میں کوئی نصیحت کروں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ امیرالمومنین دُنیا کے پرہیزگار ترین لوگوں میں سے ہیں۔ اُن کو معلوم ہو کہ جو شخص خُدائے تعالےٰ سے شرماتا ہے، ساری دُنیا اُس سے شرماتی ہے۔ اور جو شخص خُدائے تعالےٰ کے حضور میں اپنے گناہوں پر دلیر ہوتا ہے، مخلوق اس پر دلیر ہوتی ہے۔ جو شخص آج بے خوف ہے کل اُسے ڈرایا جائے گا۔ اور جو آج ڈرتا ہے کل اُسے بے خوف بنایا جائے گا۔

تمام کاموں کی کام یابی کا راز صبر ہے۔ صبر کا ثواب بھی بہت ملتا ہے۔ ہر معاملے میں خُدائے تعالےٰ کی پناہ حاصل کرو۔ اسی سے امداد مانگو اور اسی پر بھروسا رکھو تاکہ وہ تمھاری مدد کرے اور کام یابی عطا فرمائے۔ کسی کام میں مخلوق سے مدد نہ لو تاکہ خُدا تمھیں اُسی کے حوالے نہ کرے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جو کام تم نے اپنے ذمّے لیا ہے، یہ بہت بڑا کام ہے۔ ساری دُنیا اپنی ضرورّیات لے کر تمھارے پاس آئے گی اور مدد اور سہارے کی آرزو لائے گی۔ ایسا ہو تو غریبوں اور بے کسوں کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردو۔ جو کچھ اپنے لیے چاہتے ہو وہی اُن کے لیے چاہو اور جو کچھ اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اُن کے لیے پسند کرو۔

میں نے عبدالرحمٰن بن سمرہ سے سُنا ہے کہ "ایک دن آنحضرت صلعم نے مجھ سے فرمایا "عبدالرحمٰن! امارت اور سرداری کی خواہش نہ کر۔ کیوں کہ اگر خُدا نے تجھے تیری درخواست پر سرداری بخشی تو تجھ سے جواب ضرور طلب کیا جائے گا، اور اگر بلا درخواست کے بخشی تو اپنی رحمت سے تجھے بخشے گا اور تیری مدد کرے گا۔"

باب شانزدہم

در جواب ہائے شافی

(۱) حکایت - ہاتھ اور آنکھیں

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر محمد حنفیہ سے سوال کیا گیا "اس کی کیا وجہ ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں تمھیں لڑائیوں میں بھیجتے تھے۔ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو نہیں بھیجتے تھے؟"

جواب دیا "میں اُن کے ہاتھ کی جگہ تھا اور وہ آنکھوں کی روشنی تھے۔ قاعدہ ہے کہ دونوں آنکھوں کو ہاتھ ہی سے بچایا جاتا ہے۔"

---

(۲) حکایت - حجاج کا عتاب اور محمد حنفیہ کا جواب

ایک مرتبہ حجاج بن یوسف نے امیر محمد حنفیہ کو خط لکھا جس میں بہت سخت اور عتاب آلود باتیں تحریر کیں۔

امیر محمد حنفیہ نے جواب میں لکھا "آپ کا خط پہنچا، مضمون معلوم ہوا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت بہت سی نظریں رکھتی ہے۔ اگر اُن میں سے ایک نظر بھی میری طرف ہوگئی تو میں آپ کی سزا سے

بے خوف ہوں۔ اسی طرح اُس کا غضب بھی کئی نگاہوں کا حامل ہے اگر اُن میں سے ایک نگاہ بھی آپ پر پڑ گئی تو آپ کو اپنی جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی اور میری طرف توجہ کرنے کی ہمت نہ رہے گی۔

حجاج نے یہ جواب پڑھا تو ہیبت سے کانپ اُٹھا اور پھر اُس نے امیر محمد حنفیہ کو پریشان نہیں کیا۔

---

(۳) حکایت۔ ہشام بن عبدالملک اور ایک خادم

ہشام بن عبدالملک اپنے ایک خادم پر ناراض ہو رہا تھا۔ اور بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ خادم سامنے کھڑا ہوا اپنی جان بچانے کی خاطر معافیاں مانگنے اور توبہ کرنے میں مصروف تھا۔ اس سلسلے میں خادم نے ایک اچھا فقرہ استعمال کیا تو ہشام کے غصّے کی آگ بھڑک اُٹھی اور اُس نے گرج کر کہا "سر پر موت کھڑی ہے اور فصاحت چھانٹ رہا ہے"۔

خادم نے جواب دیا "یا امیر المومنین! بندے صدہا جُرم کرتے ہیں مگر اس کے باوجود حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ جسے جو کچھ عرض کرنا ہو وہ ہر وقت عرض کر سکتا ہے۔ پھر جب خُدا سُن لیتا ہے تو آپ کیوں نہیں سُن سکتے"؟

یہ سُن کر ہشام کا غصّہ جاتا رہا اور اُس نے خادم کو معاف کر دیا۔

---

(۴) حکایت۔ مامون کی لاجوابی

امیر المومنین مامون بہت حاضر جواب تھا۔ ایک دن اُس نے اپنے

مصاحبوں سے بیان کیا کہ "میں اپنی عمر میں صرف تین مرتبہ لاجواب ہوا ہوں پہلی مرتبہ فضل بن سہل کی ماں کے سامنے۔ اس طرح کہ جب فضل بن سہل نے وفات پائی اور اُس نے رونا پیٹنا شروع کیا تو میں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "اگر فضل کو خُدا نے بُلا لیا ہو تو تم غم نہ کرو میں اُس کی جگہ تمھارا بیٹا بنوں گا۔ اور اس سے زیادہ تمھارے آرام کا خیال رکھوں گا"۔

اس پر فضل کی ماں بولی" ایسے بیٹے کی وفات پر جس کی وجہ سے آپ سا بیٹا نصیب ہو، کیوں کر نہ روؤں"۔

دوسرا واقعہ یہ ہو کہ مصر میں ایک حبشی نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ "میں موسیٰ عمران ہوں"۔

میں نے اُس سے کہا کہ" موسیٰ تو معجزے دکھاتے تھے۔ مثلاً ید بیضا اور عصا وغیرہ، تو بھی کوئی معجزہ دکھا"۔

اُس نے جواب دیا "موسیٰ نے اُس وقت معجزے دکھائے تھے جب فرعون نے کہا تھا " انا ربکم الاعلیٰ "۔ آپ بھی یہ دعویٰ کریں تو میں بھی معجزے دکھانے کو تیار ہوں"۔

تیسرا واقعہ یہ ہو کہ ایک روز میں دربارِ خلافت میں بیٹھا تھا کہ کوفے والوں کی طرف سے مجھے ایک درخواست دی گئی جس میں کوفے کے عامل کی شکایت کی گئی تھی۔ اُسے پڑھ کر میں نے کہا "کہ تم اپنا ایک نمایندہ منتخب کرکے میرے پاس بھیجو تا کہ میں اُس سے پوری بات معلوم کرسکوں"۔

یہ سُن کر اُنھوں نے ایک بوڑھے شخص کو منتخب کیا اور مجھ سے کہا کہ "یہ بوڑھا اونچا سُنتا ہو"۔

میں نے جواب دیا "کوئی بات نہیں۔ میں بلند آواز سے باتیں

کروں گا۔"

الغرض وہ بوڑھا میرے پاس آیا اور میں نے اُس سے عاملِ کوفہ کے متعلق دریافت کیا۔ بوڑھے نے جواب میں کہا "یا امیرالمومنین! ہم غریبوں کے سر پر آپ نے ایسا امیر مسلّط کیا ہے جو اوّل درجے کا ظالم، بے رحم اور کمینہ شخص ہے۔ پہلے سال ہم نے اپنی عورتوں کے زیور بیچ کر اُس کا پیٹ بھرا۔ دوسرے سال اپنی زمینیں اور اپنا اسباب فروخت کر کے اُس کے ظلم کی پیاس بجھائی۔ اور اب تیسرا سال سر پر ہے اور ہم خالی ہاتھ ہیں۔ تن ڈھانکنے کو کپڑا اور پیٹ بھرنے کو روٹی تک میسّر نہیں ہے۔ اُس نے ہماری حالت فقیروں سے بدتر کر دی ہے۔ اگر آپ نے اُس کے پنجے سے نجات نہ دلائی تو خُدا کے گھر کے سوا ہمارے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔"

میں نے خفا ہو کر جواب دیا "بڑے میاں تم جھوٹ بولتے ہو۔ تمھارا امیر بڑا نیک، عالم، امین، پارسا اور انصاف پسند شخص ہے۔"

بوڑھا بولا "یا امیرالمومنین! اگر آپ کے نزدیک وہ ایسی ہی خوبیوں کا مالک ہے تو آپ کو چاہیے کہ اُس کی ان خوبیوں سے تمام دُنیا کو فائدہ اُٹھانے کا موقع دیں۔ ہمارے ہی لیے اسے مخصوص نہ فرما دیں۔ آخر باقی دُنیا نے کیا قصور کیا ہے کہ وہ اُس کی ان نیکیوں سے محروم رہے۔"

بوڑھے کی یہ بات سُن کر میں ہنس پڑا اور میں نے اُسی وقت اُس امیر کی برطرفی کا حکم لکھوا کر کوفے کی امارت ایک اور شخص کے حوالے کر دی۔

(۵) حکایت۔ ہارون الرشید اور ایک زندیق

جب[۵] جماسہ زندیق کو گرفتار کر کے امیرالمومنین ہارون کی خدمت میں لایا گیا تو اُس نے زندیق سے پوچھا "بتا او دشمنِ خدا تو زندیق ہے؟"

اُس نے جواب دیا "امیرالمومنین! میں زندیق کیوں کر ہو سکتا ہوں؟ نماز پڑھتا ہوں، سنّت بجالاتا ہوں اور نفلیں ادا کرتا ہوں۔"

ہارون بولا "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، مار پڑے گی تب اقرار کرو گے۔"

جماسہ نے جواب دیا "اس طرح آپ اپنے ابنِ عم (پیغمبر صلعم) کے طریقے کے خلاف کریں گے۔"

ہارون نے پوچھا "اُن کے خلاف کیوں کر کروں گا؟"

جماسہ نے جواب دیا "اس طرح کہ وہ تلوار چلاتے تھے کہ مسلمانی کا اقرار کرو۔ اور آپ بید ماریں گے کہ کافری کا اقرار کرو۔"

ہارون یہ جواب سُن کر دم بخود رہ گیا اور اُسے چھوڑتے بنی۔

---

(۶) حکایت۔ خُدا کا مہمان اور طفیلی

بخارا کا کوئی صدر ایک مرتبہ حج کرنے جا رہا تھا۔ اس شان سے کہ ایک سو اونٹوں پر اُس کا سامان لدا تھا۔ خود ایک آرام دہ عماری میں بیٹھا تھا اور عالموں اور اماموں کی ایک جماعت ہم رکاب تھی۔

عرفات کے نزدیک پہنچے تو ایک درویش نظر آیا۔ بھوکا، پیاسا،

[۵] جماسہ یا جہاج؟

پیروں میں آبلے پڑے ہوئے اور کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ اس نے صدرِ بخارا کو اس ٹھاٹھ سے جاتے دیکھا تو اُسے مخاطب کرکے بولا "مجھے اور آپ کو برابر ثواب ملے گا۔ حالاں کہ آپ اتنے آرام کے ساتھ سفر کر رہے ہیں اور میں اس مصیبت کے ساتھ گرتا پڑتا جا رہا ہوں"۔

صدر نے جواب دیا "میرا اور تمھارا ثواب ہرگز برابر نہیں ہو سکتا۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ میرا اور تمھارا درجہ برابر ہے تو میں کبھی بھی اس صحرا میں نہ آتا"۔

درویش نے پوچھا "کیوں"؟

صدر نے جواب دیا "یوں کہ میں خدا کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں اور تم اُس کے حکم کے خلاف چل رہے ہو۔ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ اگر تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو۔ اور تم جیسوں کے لیے حکم دیا ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ لہذا مجھے بلایا ہے اور تمھیں معذور رکھا ہے۔ میں مہمان ہوں اور تم طفیلی ہو۔ طفیلی کی عزت مہمان کے برابر کبھی نہیں ہو سکتی"۔

---

(۷) حکایت۔ کاتبوں کی عزّت

حجاج بن یوسف کا، مرہ نامی ایک دوست تھا۔ ایک دن وہ حجاج کے پاس بیٹھا تھا کہ حاجب اندر آیا اور بولا "کاتب صاحب دروازے پر کھڑے ہیں اور حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں"۔

یہ سُن کر مرہ کی زبان سے نکلا "یہ کاتب لوگ بدترین آدمی ہوتے ہیں"۔

اتنے میں کاتب آپہنچا۔ حجاج نے تعظیم کرکے اپنے پاس بٹھایا، اور

باتیں کرتا رہا۔

جب وہ ضروری بات کر کے چلا گیا تو حجاج نے مرہ سے مخاطب ہو کر پوچھا "تم نے یہ کیوں کہا کہ کاتب لوگ بدتزین آدمی ہوتے ہیں۔ اگر تم میرے دوست نہ ہوتے تو تمھیں سزا دیتا۔ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے کہ "کراماً کاتبین" کاتبوں کو بزرگوار کہا گیا ہے۔"

مرہ نے جواب دیا "یا امیر المومنین! میں نے تو آپ کے کاتبوں کے لیے کہا تھا۔ فرشتوں کے لیے تھوڑا ہی کہا تھا۔"

یہ سن کر حجاج ہنس پڑا اور اس کا قصور معاف کر دیا۔

---

(۸) حکایت۔ عینیہ اور مصر کی امارت

ایک دن عبد الملک بن مروان نے عینیہ کو بلا کر کہا کہ میں تمھیں مصر کا امیر بنانا چاہتا ہوں، سفر کی تیاری کر لو۔"

عینیہ نے جواب دیا "امیر المومنین! میں دنیا کے جھگڑوں سے الگ ہو چکا ہوں، ایسے کاموں کا نہیں رہا۔ کسی اور کو بھجوا دیجیے۔"

یہ سن کر عبد الملک کو غصہ آ گیا۔ بہت کچھ سخت سست سنا کر کہنے لگا "جس عہدے اور اعزاز کی آرزو میں دوسرے برسوں کوششیں کرتے اور ایڑیاں رگڑتے ہیں، میں اسے بے طلب تمھارے حوالے کر رہا ہوں اور تم احسان ماننے کی بجائے اس سے انکار کرتے ہو"؟

عینیہ نے جواب دیا "امیر المومنین، اجازت ہو تو ایک بات عرض کردوں۔ دیکھیے خدائے تعالےٰ فرماتا ہے " انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال

فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوماً جہولاً۔" حق سبحانہ تعالےٰ نے زمین اور آسمان سے بارِ امانت اٹھانے کے لیے کہا مگر انھوں نے انکار کیا اور قبول نہ کیا۔ پھر اگر آپ نے مجھے مصر کی امارت پیش کی اور میں نے قبول نہ کی تو آپ خفا کیوں ہو گئے؟"

عبدالملک کو یہ جواب بہت پسند آیا اور اُس نے عینیہ کو خلعت دے کر رخصت کیا۔

---

(۹) حکایت۔ ایک اعرابی کی حاضر جوابی

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور بعض دوسرے لوگ معاویہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں کسی نے کہا کہ "دروازے پر کوئی شخص کھڑا ہے۔"

معاویہ نے فرمایا "بلاؤ"

کوئی اعرابی تھا۔ اندر آیا اور دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر اس نے بُھنے ہوئے برّے والی قاب اپنی طرف گھسیٹ لی اور بوٹیاں نوچ نوچ کر کھانے لگا۔

معاویہ غصّے کے مارے پیچ و تاب کھاتے رہے۔ آخر جب ضبط نہ ہوا تو اعرابی کو مخاطب کر کے بولے "اس برّے کی ماں نے تیرا بچّہ تو نہیں چُرایا تھا کہ تو غصّے کے مارے ٹکڑے اُڑائے دیتا ہے؟"

اعرابی نے جواب دیا "اور اس بچّے کی ماں نے تجھے دُودھ پلایا تھا کہ تو اس پر رحم کر رہا ہے۔"

معاویہ چپ ہو گئے۔

---

(۱۰) حکایت۔ تلوار اور قلم

عراقین کا حاکم حسنویہ، علی خطیب وزیر سے ناراض ہو گیا تھا۔ اپنے ایک خدمت گار کو ننگی تلوار دے کر کہا کہ "اسے لے جاؤ اور وزیر کے پاس رکھ آؤ"۔

خدمت گار تلوار لے کر وزیر کی خدمت میں پہنچا اور اُس کے سامنے رکھ کر لوٹنا چاہتا تھا کہ وزیر نے اُسے روکا۔ قلم اُٹھا کر دوات میں ڈبویا اور خدمت گار کو دے کر بولا "اس سے کہنا کہ یہ جواب دیا ہے"۔

تھوڑے دن بعد حسنویہ کو برطرف کر دیا گیا اور اُس کے فرزند کو اُس کی جگہ دے دی گئی۔

---

(۱۱) حکایت۔ لاعلمی، شرم کی بات نہیں

ایک مرتبہ شعبی سے کسی شخص نے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ اُس نے جواب دیا "مجھے نہیں معلوم"۔

اُس شخص نے کہا "یہ کہتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی؟"

شعبی نے جواب دیا "یہ کہتے ہوئے فرشتوں کو شرم نہیں آئی تو مجھے کیوں آئے؟ خدا نے جب اُن کو حکم دیا کہ 'چیزوں کے نام بتاؤ' تو اُنھوں نے جواب دیا "ہم نہیں جانتے"۔ جیسا کہ قرآن بتاتا ہے۔ قالوا

سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم "۔

(۱۲۱) حکایت ۔ ہارون الرشید اور بوڑھا کسان

ایک مرتبہ امیرالمومنین ہارون شکار کو جارہا تھا۔ راستے میں ایک بہت بوڑھے کسان کو دیکھا کہ درخت لگا رہا ہے۔

اِس عمر میں اُسے محنت کرتے دیکھ کر خلیفہ کو بہت تعجب ہوا۔ گھوڑے کی باگ موڑ کر اُس کے قریب پہنچا اور اُس سے دریافت کیا "بڑے میاں تمھاری کتنی عمر ہوگی؟"

بوڑھے کسان نے جواب دیا "چار سال"۔

فضل بن ربیع ہارون کے ساتھ تھا۔ خفا ہو کر بولا "امیرالمومنین کے سامنے بے ہودہ نہ بکو"۔

بوڑھے نے کہا "میں نے کوئی بے ہودہ بکواس نہیں کی۔ عقل مند لوگ جانتے ہیں کہ بنی امیہ کے زمانے میں جو عمر گزری ہے، اُسے حساب میں نہیں گنا جا سکتا۔ منصور کا عہد بھی ہنگاموں میں بسر ہوا اور مخلوق خوف اور دہشت کی زندگی گزارتی رہی۔ اس لیے اسے بھی حساب میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ دو سال مہدی کے عہد میں اور دو سال امیرالمومنین کے عہد میں دُنیا نے امن اور آرام سے بسر کیے ہیں۔ اس لیے میں بھی انھی چار سال کو اپنی اصلی عمر سمجھتا ہوں"۔

ہارون کو یہ بات بہت پسند آئی۔ پوچھا "بڑے میاں اس درخت میں کب پھل آئے گا؟"

بوڑھے نے جواب دیا" بزرگوں نے لگائے تھے، ہم نے کھائے۔ ہم لگائیں گے لوگ کھائیں گے۔"

ہارون نے کہا "خوب کہا۔"

امیرالمومنین ہارون کی عادت تھی کہ جب کوئی بات اُسے پسند آتی یا وہ کسی کو شاباش دیتا تو ایک ہزار دینار کی تھیلی اُسے بخشتا تھا۔ چناں چہ بوڑھے کی یہ بات پسند آئی تو اُسے بھی ایک ہزار دینار کی تھیلی عنایت کردی۔

تھیلی لے کر بوڑھے نے کہا " عام طور پر یہ درخت بیس سال بعد پھل دیتا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ میں نے آج ہی بویا اور یہ امیرالمومنین کی نگاہوں کے آفتاب کی برکت سے آج ہی پھل دینے لگا۔"

ہارون بولا " مرحبا، خوب کہا۔"

اور ساتھ ہی ایک ہزار دینار کی تھیلی اور بوڑھے کسان کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔

امیرالمومنین نے گھوڑے کی باگ موڑی اور چلتے ہوئے فضل سے بولے" اگر اس بوڑھے سے ایک دو باتیں اور پوچھتے تو یہ ہماری جیب خالی کرالیتا۔"

---

(۱۳) حکایت۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی

ایک دفعہ ایک بادشاہ نے امام عبداللہ بن مبارک کو ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے بلایا۔ جب وہ لوٹ کر جانے لگے تو بادشاہ نے اُن کو خاص اپنی سواری کے گھوڑے پر (جو طلائی سازوسامان سے سجا ہوا تھا) بٹھا کر

روانہ کیا۔

راستے میں ایک سید نشے میں مدہوش، زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اُس نے امام کو اس شان سے جاتے دیکھا تو بولا "او ہندو زادے! تو اس ٹھاٹھ سے سوار ہو کر جائے اور پیغمبر زادے یوں زمین پر پڑے رہیں"۔

عبداللہ بن مبارک نے جواب دیا "بے شک، اس لیے کہ تم میرے دادا کے سے کام کرتے ہو اور میں تمھارے دادا کے سے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ میں اس حالت میں ہوں اور تم اس حالت میں"۔

---

(۱۴) حکایت "خونِ دو عالم میری گردن پر"

علی بن عیسٰی ماہان کو امیرالمومنین ہارون الرشید نے خراسان کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ اُس نے خراسان کی رعایا پر بہت ظُلم کیے اور اُن کو لوٹ کر بے شمار مال و اسباب بغداد بھجوایا۔

خراسانیوں نے شکایتوں پر شکایتیں کیں۔ عرضیوں پر عرضیاں بھجوائیں مگر ہارون نے ذرا شنوائی نہ کی۔ بلکہ جب مظلوموں کی پیہم درخواستوں سے تنگ آ گیا تو اُس نے قسم کھالی کہ "آج کے بعد جو شخص بھی علی بن عیسٰی ماہان کی شکایت کرے گا اُسے قتل کروا دوں گا"۔

یہ سُن کر مظلوموں نے جان کے خوف سے عرضیاں بھجوانی بند کر دیں۔ مگر ایک شخص جان پر کھیل کر ہارون کی خدمت میں پہنچا اور علی بن عیسٰی کے مظالم بیان کر کے انصاف کا طالب ہوا۔

ہارون نے جواب دیا "میں کسی بات پر یقین نہیں کرتا۔ نہ کوئی

شکایت سُننا چاہتا ہوں۔ صرف اتنا پوچھتا ہوں کہ مَیں تجھے یہاں قتل کراؤں یا علی بن عیسیٰ کے پاس بھجواؤں۔"

خراسانی نے جواب دیا "اُسی کے پاس بھجوا دیجیے۔"

ہارون نے پوچھا "تو نے اس کے پاس جانے کو کیوں ترجیح دی؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تُو نے اُس کی شکایت کی ہے۔ اور تُو جس وقت بھی وہاں پہنچے گا وہ تجھے فوراً قتل کرا دے گا؟"

خراسانی نے جواب دیا "مَیں نے اُس کے پاس جانا اس لیے پسند کیا کہ "جب ایک مظلوم کو قتل ہی کرنا ضروری ٹھیرا تو یہ بہتر ہے کہ اُس کا قاتل کوئی عام شخص ہو۔ پیغمبر صلعم کا عم زادہ والا تبار نہ ہو۔"

یہ سُن کر ہارون بہت رویا۔ اُس نے اُس خراسانی کی جان بخشی کی اور شکایت کا تدارک اور اپنی قسم توڑنے کا کفارہ ادا کیا۔

---

(۱۵) حکایت۔ ایک پہرے دار کا خواب

ایک مرتبہ کرمان کے بادشاہ ملک محمد سے اُس کے خزانے کے ایک پہرہ دار نے عرض کی کہ "حضور، رات کو مَیں نے ایک خواب دیکھا ہے اگر اجازت ہو تو عرض کروں۔"

بادشاہ نے کہا "سُناؤ۔"

پہرے دار نے ایک بہت لمبا خواب سُنایا۔ بادشاہ چُپ چاپ سُنتا رہا۔ جب وہ ختم کر چکا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ "اس شخص کو خزانے کی نوکری سے برطرف کر دیا جائے۔"

کسی نے پوچھا "اس کی کیا وجہ ہے؟"
بادشاہ نے جواب دیا "جو شخص اتنا لمبا خواب دیکھتا ہے وہ یقیناً بہت زیادہ سوتا ہے۔ ایسا شخص خزانے کی حفاظت کس طرح کر سکتا ہے؟"

---

(۱۶) حکایت۔ فتح بن خاقان کا جواب

امیرالمومنین معتصم کی عادت تھی کہ سال میں ایک مرتبہ اپنے مصاحبوں کی دعوت قبول کرتا تھا۔
ایک دن اپنے وزیر فتح بن خاقان کے ہاں دعوت کھانے گیا تھا۔ اور اُس کی آمد کی وجہ سے فتح بن خاقان خوشی کے مارے پھولا نہ سماتا تھا۔ اور امیرالمومنین کے سامنے کھڑا تھا۔ امیرالمومنین نے پوچھا "کیوں فتح! تمھارا مکان اچھا ہے یا میرا؟"
وزیر نے جواب دیا "امیرالمومنین! آج تو غلام کا مکان ہی اچھا ہے۔ کیوں کہ یہاں امیرالمومنین تشریف لائے ہوئے ہیں۔"

باب ہفدہم

در لطائف و حکایاتِ قضات و علما

(۱) حکایت۔ امام ابو یوسف قاضی کی طالب علمی

امام ابو یوسف قاضی رحمتہ اللہ علیہ طالب علمی کے زمانے میں بہت غریب تھے۔ نہ پوری کتابیں تھیں نہ لکھنے کے لیے کاغذ نصیب ہوتا تھا۔ مگر علم کا شوق ہمت نہ ہارنے دیتا تھا۔

اُن کا زیادہ وقت اُن کے اُستاد امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں گزرتا تھا۔ کاغذ کی جگہ بکریوں کی ہڈیوں پر اپنا سبق لکھ کر یاد کرتے اور اُن ہڈیوں کو گھر لے جاکر سنبھال کے ایک گھڑے میں رکھتے جاتے تھے۔

ایک دن درس سے فارغ ہو کر گھر پہنچے تو بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ کچھ کھانے کو مانگا۔ بیوی نے گھڑے سے کچھ ہڈیاں نکال کر سامنے لا رکھیں اور کہا "کھانے کو یہ ہڈیاں لاتے ہو تو یہی کھاؤ۔"

یہ سُن کر امام ابو یوسف کو بہت رنج ہوا۔ اور انھوں نے ارادہ کیا کہ کمانے کھانے کی کوئی سبیل سوچنی چاہیے۔ چناں چہ دو روز تک درس سے غیر حاضر رہے۔ امام اعظم نے کسی شخص سے غیر حاضری کی وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ "مفلسی اور فاقہ کشی کی وجہ سے نہیں آیا۔"

امام اعظمؒ نے بُلوا کر حال پُوچھا۔ اُن کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور فرمایا "تعلیم کو نہ چھوڑو اور رُوکھی سوکھی سے نہ گھبراؤ۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ بادشاہ طلائی چمچے میں تمھیں اپنے ہاتھ سے حلوا کھلائیں گے۔"

خُدا نے امام کی یہ بات پُوری کی اور ایک مرتبہ جب امام ابو یوسف امیر المومنین ہارون الرشید کی مجلس میں کھانا کھانے بیٹھے تو خود ہارون نے سونے کے چمچے سے اُن کو کھیر کھلائی۔

---

(۲) حکایت۔ ایک بچّہ اور دو مائیں

امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک مکان میں دو عورتیں رہتی تھیں۔ دونوں کے دو بچّے تھے۔ ایک دن دونوں مکان کے اندر کسی کام میں مصروف تھیں اور بچّے گھر کے دروازے پر کھیل رہے تھے۔ کہ اتنے میں بھیڑیا آیا اور ایک بچّے کو اُٹھا کر لے گیا۔

ماؤں کو خبر ہوئی تو زندہ بچّے کے لیے لڑنے لگیں۔ ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ "جس بچّے کو بھیڑیا لے گیا ہے وہ دُوسری کا ہے اور زندہ بچّہ میرا ہے۔"

یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ قاضی کی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ قاضی نے صورتِ حال معلوم کی تو کسی کے حق میں فیصلہ نہ کر سکا۔ آخر پریشان ہو کر امام اعظم ابو حنیفہ کو اطلاع دی۔

امام صاحب قاضی کی عدالت میں تشریف لے گئے اور دونوں عورتوں کو مع بچّے کے حاضر کرنے کا حکم دیا۔

وہ آئیں تو آپ نے فرمایا "تمھارے فیصلے کی صورت صِرف یہ

ہو کہ اس بچے کے دو ٹکڑے کرکے تم میں تقسیم کر دیے جائیں"۔ یہ کہہ کر آپ نے نوکر کو حکم دیا کہ "تلوار لاؤ"۔

نوکر تلوار لے کر بچے کی طرف چلا تو بچے کی حقیقی ماں کی مامتا سے نہ رہا گیا۔ چلا کر بولی "اسے قتل نہ کرو۔ اسی عورت کے حوالے کر دو۔ میں اپنے دعوی سے باز آئی"۔

یہ سُن کر امام اعظم نے فرمایا "جو عورت اپنے دعو... سے دست بردار ہو رہی ہے، بچہ اُسی کا ہے، اس کے حوالے کر دیا جائے۔ دوسری عورت کی خاموشی ظاہر کرتی ہے کہ اسے بچے سے اتنی محبت نہیں ہے جتنی اس دوسری کو ہے"۔

چناں چہ بچہ اس کی ماں کے حوالے کر دیا گیا۔

---

(۳) حکایت۔ امام اعظمؒ اور اشرفیوں کا سُراغ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق ایک اور واقعہ یہ ہے کہ اُن کے عہد میں ایک شخص کو سفر میں جانا تھا۔ اُس کے پاس تھوڑی سی اشرفیاں تھیں۔ مگر چوں کہ کسی پر اعتبار نہ تھا اس لیے اُس نے اُن اشرفیوں کو تھیلی میں بند کر کے ایک درخت کے نیچے گاڑ دیا اور خود سفر کو چلا گیا۔

مدت کے بعد پردیس سے آیا تو درخت کے نیچے سے اپنی اشرفیاں نکالنی چاہیں۔ کھود کر دیکھا تو اشرفیاں غائب تھیں۔ بہت پریشان ہوا اور ملنے والوں سے سارا حال بیان کر کے مشورہ چاہا۔ مگر کسی نے کوئی تدبیر نہ سُجھائی۔ آخر ایک شخص کے کہنے سے وہ امام اعظم کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے

سارا واقعہ سن کر فرمایا "کل شام کو آنا۔ میں انشا اللہ تعالےٰ تمھاری اشرفیوں کا پتا چلا دوں گا۔"

یہ سن کر وہ شخص تو مطمئن ہو کر اپنے گھر گیا اور امام اعظمؒ ایک طبیب کے پاس پہنچے۔ اور اُس سے سوال کیا کہ "فلاں درخت کی جڑ کس مرض کے لیے مفید ہوتی ہے؟"

طبیب نے ایک مرض کا نام لیا تو امام صاحب نے پوچھا پچھلے ڈیڑھ دو ماہ کے عرصے میں اس کا کوئی مریض تو آپ کے پاس نہیں آیا؟ جسے آپ نے اس درخت کی جڑ بتائی ہو"؟

طبیب نے نفی میں جواب دیا تو امام صاحب دوسرے طبیبوں کے پاس پہنچے اور سب سے یہی سوالات کرتے رہے۔ آخر ایک طبیب سے معلوم ہوا کہ تقریباً ایک ماہ کا عرصہ گزرا ایک شخص اس مرض کی شکایت لایا تھا اور میں نے اُسے اس درخت کی جڑ استعمال کرنے کو کہا تھا۔

امام اعظم نے اُس مریض کا پتا نشان معلوم کر کے اُسے بلوایا۔ اور کہا کہ "تمھیں فلاں درخت کی جڑ میں جو اشرفیوں کی تھیلی ملی ہے وہ ہمارے حوالے کرو"۔

پہلے تو اُس شخص نے انکار کیا مگر جب امام اعظم نے سختی کی تو اُسے اقرار کرنا پڑا اور اشرفیوں کی تھیلی دیتے بنی۔

---

(۱۴) حکایت۔ شرعی حیلہ

ایک مرتبہ ایک جوان شخص نے امام اعظم کی خدمت میں عرض کی کہ

" میری پہلی بیوی موجود ہے اور مجھے اُس سے محبت بھی ہے۔ مگر بعض وجوہ سے ایک اور شادی کرنا چاہتا ہوں"۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ " پہلی بیوی کو طلاق دو ورنہ ہم لڑکی نہیں دیتے "۔ کوئی ایسی ترکیب بتائیے کہ مطلب بھی پورا ہو جائے اور پہلی کو طلاق بھی نہ دینی پڑے "۔

ابو حنیفہ نے فرمایا " اس کی ترکیب تو بہت آسان ہے۔ اپنی بیوی سے کہو کہ تھوڑی دیر کے لیے قبرستان میں جا کر بیٹھ جائے اور تم اُن لوگوں کے پاس جا کر قسم کھالو کہ " میں اپنی ہر ایک بیوی کو سوائے اُس کے جو قبرستان میں ہے طلاق دیتا ہوں"۔ تمھاری اس قسم سے حاضرین سمجھیں گے کہ قبرستان میں کوئی مُردہ بیوی دفن ہے۔ اور تمھاری غرض پوری ہو جائے گی "۔

اُس شخص نے ایسا ہی کیا اور کام یاب ہوا۔

---

(۵) حکایت۔ ایاس کی ذہانت

ایاس بن معاویہ، عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے بصرے کا قاضی تھا، عقل و دانائی و فراست و کیاست کے لحاظ سے اُس کا نام ضرب المثل تھا۔ چناں چہ اگر کسی شخص کی عقل مندی کی تعریف کرنی ہوتی تو کہا جاتا کہ " فلاں شخص ایاس کی طرح ہے " یا " ایاس کا شاگرد ہے "۔

اُس کی عقل اور ذہانت کی بیسیوں حکایتیں مشہور ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ کسی قبیلے کے بہت سے لوگوں کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ دُور سے کُتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ ایاس بولا " یہ کُتا کسی کنوئیں کے پاس بندھا ہوا ہے "۔

اُس کے ساتھیوں میں سے بعض نے جاکر دیکھا تو یہی بات نکلی۔ حیران ہوکر اُس سے سوال کیا کہ "آپ نے کس طرح معلوم کیا؟"

ایاس نے جواب دیا "آواز ایک جگہ سے آرہی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کُتا بندھا ہوا ہے۔ اگر کھُلا ہوتا تو ایک ہی جگہ سے آواز نہ آتی۔ آواز کے ساتھ اُس کی ہلکی سی گونج بھی سُنائی دیتی تھی۔ اُس سے میں نے خیال کیا کہ وہ کنوئیں کے قریب بندھا ہے۔"

---

(۶) حکایت۔ ایاس کا ایک اور واقعہ

ایک مرتبہ بہت سے لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے کھجوریں کھا رہے تھے اور گٹھلیاں پھینکتے جا رہے تھے۔ مکھیاں گٹھلیوں کی طرف نہیں جاتی تھیں بلکہ کھجوروں کے پاس منڈلا رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر قاضی ایاس نے کہا "اس جگہ سانپ معلوم ہوتا ہے۔"

لوگوں کے ڈھونڈنے پر ایک بہت بڑا سانپ ملا۔ اُسے مار چکے تو کسی نے ایاس سے پوچھا "آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہاں سانپ ہے؟"

ایاس نے جواب دیا "اس طرح کہ مکھیاں ہم سے دور نہ ہوتی تھیں۔ اس سے میں سمجھا کہ ان کو زہر کی بو آرہی ہے۔ جبھی یہ بکھرتی نہیں۔"

---

(۷) حکایت۔ امام محمد بن نصر کا پیغام اور طمغاج خان

سید امام قاضی (بخارا) بیان کرتا ہے کہ "ایک مرتبہ میں سمرقند میں

طمغاج خاں سے ملنے جا رہا تھا۔ راستے میں اُس زمانے کے مشہور عالم امام محمد بن نصر مِل گئے۔

اُن کو دیکھ کر میں نے گھوڑے سے اُتر کر سلام کیا۔ اُنھوں نے سلام کا جواب دے کر پوچھا "خان کے پاس جا رہے ہو؟"

میں نے جواب دیا "جی ہاں"۔

فرمایا "میرا بھی ایک پیغام پہنچا دینا۔ کہنا کہ تمھارے آدمیوں کے ہاتھوں جو کچھ ہم پر گزر رہی ہے۔ اُس کا حال تمھیں معلوم ہے یا نہیں؟ اگر معلوم ہے اور پھر بھی خاموش ہو تو تم پر افسوس ہے۔ اور اگر نہیں معلوم تو ہم پر افسوس کہ ہمیں ایسا بادشاہ نصیب ہوا ہے جو اپنی رعایا کی خبر تک نہیں لیتا"۔

میں نے جب خان کو یہ پیغام پہنچایا تو وہ بہت رویا۔ ظالم اہل کاروں سے باز پُرس کر کے اُن کو سزا دی اور آیندہ رعایا کی خبر گیری کرنے لگا۔
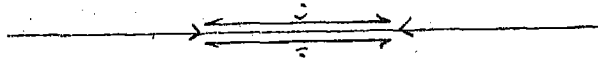
باب ہژدہم

در نوادر حکایاتِ دبیران و کفایتِ ایشاں

(۱) حکایت ۔ خلیفہ معتصم اور ایک منشی کی کارستانی

امیرالمومنین معتصم کے عہد میں ایک منشی (دبیر) تھا ۔ بے چارے کا روزگار چھوٹے مدّت گزر چکی تھی اور وہ بے کار بیٹھے بیٹھے تنگ آ چکا تھا ۔

جب مُفلسی اور غریبی نے بہت ستایا تو اُس نے معتصم کے نام عرضی لکھی کہ "فدوی منشی گری کے کام میں ماہر ہے ۔ مگر برسوں سے بے کار چلا آتا ہے ۔ اگر فدوی کو کوئی جگہ دی جائے تو فدوی اپنا پیٹ بھی پال سکتا ہے اور امیرالمومنین کے خزانے میں بھی اضافہ کر کے دکھا سکتا ہے ۔"

اس مضمون کی عرضی ساتھ لے کر وہ روزانہ بابِ خلافت کے پاس کھڑا ہو جاتا اور جب معتصم کی سواری وہاں سے گزرتی پیش کر دیتا ۔

اُس کی عرضیوں سے اُکتا کر ایک دن امیرالمومنین نے فرمایا کہ "اس منشی کے لیے کوئی ایسی جگہ تجویز کرو جس میں نہ فائدہ ہوتا ہو نہ نقصان ہو سکتا ہو ۔"

ایک درباری نے عرض کی کہ "بصرے کی جامع مسجد کا فرش کچا ہے اور برسات کے موسم میں کیچڑ ہو جاتی ہے ۔ اس لیے پختہ فرش بنوانے کی سخت ضرورت

ہے۔ یہ کام اس شخص کے حوالے کردیا جائے تو موزوں رہے گا۔"

معتصم نے فرمایا کہ "ٹھیک ہے۔"

چناں چہ فرمان لکھ کر اُس منشی کے حوالے کردیا گیا اور وہ خوش خوش بصرے روانہ ہوا۔

راستے میں کسی جگہ منشی کو ایک پتھر ملا۔ جو بہت خوش نما، چکنا، نگین اور خوب صورت تھا۔ اُس نے یہ پتھر اُٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

بصرے کے دروازے پر پہنچ کر منشی نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ "شہر میں جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ میں شاہی فرمان لے کر آیا ہوں۔ سب مل کر استقبال کو آئیں۔"

خادم نے شہر کے معززین کو یہ خبر پہنچائی تو سب حیران اور پریشان ہو کر استقبال کو دوڑے کہ "خدا ہی جانے یہ قاصد کیوں آیا ہے اور کیسا حکم لایا ہے؟"

جب منشی جی بڑی شان سے شہر میں داخل ہو کر اپنے ٹھکانے پہنچ چکے تو آپ نے امیر المومنین کا فرمان نکال کر دکھایا۔ لوگوں کی جان میں جان آئی۔ بلکہ اب اِس پر تعجب کرنے لگے کہ "اتنی سی بات کے لیے ایلچی اور فرمان بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ اشارہ کافی تھا۔"

منشی بھی ایک ہی کائیاں تھا۔ اور رنگین پتھر سے مسلح ہو کر آیا تھا۔ چناں چہ جب اس نے دیکھا کہ یہ لوگ فرش کی تعمیر کو معمولی سمجھتے ہیں تو فوراً جیب سے وہ پتھر نکال کر سامنے رکھا اور تحکم کے ساتھ بولا "مگر ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ تمام فرش میں صرف اس قسم کا پتھر استعمال کیا جائے۔"

اب تو بصرے والے بہت پریشان ہوے اور منشی سے کہنے لگے کہ "ایسا پتھر تو بصرے میں کیا دُور دُور نہیں ملتا۔"

منشی نے کہا" کہیں سے پیدا کرو۔ مجھے تو حکم یہ ہے کہ اس پتھر کا فرش بنوا کر جاؤں"

آخر کئی گھنٹے کی گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ بصرے والوں نے کئی ہزار درم منشی کی نذر کیے تب اُنھیں اجازت ملی کہ جیسا پتھر وہ چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔

منشی نے بصرے والوں سے مال وصول کر کے اونٹوں پر لدوایا اور اُسی وقت بغداد روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر سیدھا قصرِ خلافت کی طرف گیا۔ اور اونٹوں سمیت اپنی پُرانی جگہ جا کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر میں معتصم سوار ہو کر نکلا تو آواز دی کہ" یا امیر المومنین! یہ مال کس کے سپرد کروں؟"

معتصم نے اپنے مصاحبوں سے پوچھا" کیسا مال ہے اور کون لایا ہے؟" عرض کی" وہی منشی ہے، جسے امیر المومنین نے بصرے کی جامع مسجد کا فرش تعمیر کرانے کی غرض سے بھجوایا تھا"

معتصم نے جواب دیا" جو شخص ایک ایسے فضول کام سے اتنے ہزار کا مال پیدا کر کے لا سکتا ہے وہ یقیناً کسی بڑے عہدے کا مستحق ہے"

چناں چہ معتصم کے حکم پر اُس کو محکمۂ حسابات میں ایک اچھی جگہ دے دی گئی۔
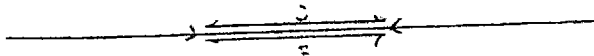
در بیان حکایاتِ طبیبان

(۱) حکایت ۔ پیٹ میں جونک

ایک مشہور طبیب بیان کرتا ہے کہ ایک نوجوان بغداد سے رَے کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں بیمار ہو گیا ۔ بیماری یہ تھی کہ جب پانی پیتا ۔ اُس کے حلق سے تھوڑا سا خون نکل آتا تھا ۔ رَے پہنچ کر وہ حکیم محمد بن زکریا کی خدمت میں حاضر ہُوا اور مرض کا حال بیان کیا ۔

محمد بن زکریا نے نبض دیکھی تو مرض کی کوئی علامت نہ پائی ۔ سمجھ گئے کہ یہ عارضی خرابی ہے ۔ مریض سے پوچھا "راستے میں کیسا پانی پیا تھا؟"

مریض نے جواب دیا "تالاب کا ۔ کیوں کہ اُس راستے میں تالاب ہی کا پانی ملتا ہے ۔"

محمد بن زکریا بولے "علاج تو کروں گا ، مگر اس شرط سے کہ تمھارے خادم میری ہدایتوں کی پوری پوری تعمیل کریں ۔"

نوجوان نے وعدہ کر لیا ۔ حکیم صاحب نے اُس کے غلاموں کو حکم دیا کہ "تھوڑی سی کائی لے کر آؤ ۔"

وہ کائی لے آئے تو حکیم صاحب نے مریض سے کہا کہ "اسے کھاؤ ۔"

مریض نے بہت تھوڑی سی کائی کھائی۔ زیادہ کھانے کو جی نہ چاہا۔ زکریا نے اُس کے غلاموں کو حکم دیا کہ "اسے لٹا کر زبردستی کھلاؤ۔"

غلاموں نے تعمیل کی۔ اُس کے بعد مریض کو بٹھا دیا گیا۔ چند لمحوں کے بعد اُسے متلی ہو کر قے ہوئی اور طبیعت کو سکون حاصل ہو گیا۔

محمد بن زکریا نے فرمایا کہ "قے میں کوئی جونک ہوگی۔ اُسے نکالو۔"

غلاموں نے دیکھا تو واقعی جونک نکلی۔ معلوم ہوا کہ تالاب کے پانی کے ساتھ یہ جونک مریض کے معدے میں چلی گئی تھی اور فم معدہ سے چمٹ گئی تھی۔ چوں کہ جونک اور کائی دونوں پانی کی چیزیں ہیں اس لیے مریض کو کائی کھلائی گئی۔ اور کائی دیکھ کر وہ معدے سے الگ ہو گئی۔
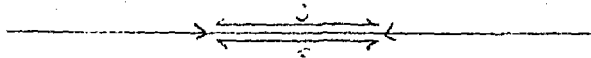
باب بیست ویکم

درلطائف قول معبراں

(۱) حکایت۔ سبکتگین کا خواب

امیر سبکتگین نے اپنے ابتدائی زمانے میں ایک رات خواب دیکھا کہ آفتاب اور ماہتاب دونوں ٹوٹ کر اُس کے پہلو میں آگرے۔ اور دیر تک وہیں پڑے رہے۔ اتنے میں سبکتگین کی آنکھ کھُل گئی۔

سبکتگین اُس زمانے میں سمرقند میں مقیم تھا۔ صبح کو اُس نے اپنے ملنے والوں سے یہ خواب بیان کیا اور ہر ایک نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق تعبیر بتائی مگر اس کے دل کو ایک نہ لگی۔ یہاں تک کہ وہ امام یعقوب کسائی کی خدمت میں حاضر ہوُا اور اُن سے اپنا خواب بیان کیا۔

یعقوب نے سبکتگین کو غور سے دیکھ کر کہا کہ "تم بہت بڑے بادشاہ ہوگے۔ اور تمھاری نسل سے تیرہ بادشاہ ہوں گے"۔

---

(۲) حکایت۔ سبکتگین کے تین فرزند

"تاریخ ناصری" میں لکھا ہے کہ محمود کے پیدا ہونے سے پہلے

امیر سبکتگین نے خواب دیکھا کہ وہ تین بازوں کو پکڑتا ہے مگر دو اُڑ جاتے ہیں۔ اور صِرف ایک اُس کے ہاتھ پر رہ جاتا ہے۔"

ایک معبّر سے اُس نے تعبیر پوچھی۔ جواب ملا کہ " آپ کے تین فرزند ہوں گے مگر دو انتقال کر جائیں گے۔ اور صِرف ایک زندہ رہے گا۔"

چُناں چہ اُس کے تین بیٹے محمود۔ خسرو اور حسین پیدا ہوئے مگر اُن میں صِرف محمود زندہ رہا۔
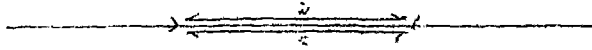
باب بیست ودوم

در لطائف حکایات منجّمان

(۱) حکایت فضل بن سہل کی موت

وزیر فضل بن سہل کو علم نجوم میں کمال حاصل تھا۔ جب اُس کے زوال کا زمانہ قریب آیا تو اُس نے ستاروں کے حساب سے معلوم کیا کہ اسی ہفتے میں آگ اور پانی کے درمیان اُس کے لیے خطرہ ہو۔ اُس نے سوچا کہ ایسی جگہ حمام کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی۔ چناں چہ اُس نے فصاد کو حکم دیا کہ حمام میں چل کر اُس کی فصد کھول دے۔

انسانی فطرت ہو کہ جھوٹی باتوں سے بھی اپنے دل کی تسکین کر لیتی ہو۔ فصد کُھلوا کر فضل مطمئن ہو گیا کہ ستاروں کا حکم پُورا کر دیا گیا۔ اور اب اُس کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہو۔ لیکن ابھی وہ حمام سے نکلا ہی تھا کہ خلیفہ کے آدمیوں نے آ پکڑا اور حمام میں لے جا کر اُسے قتل کر دیا۔
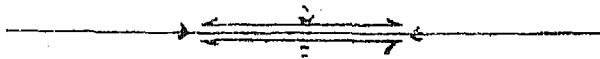
باب بیست وپنجم

در لطائف احوال واقوالِ زیرکانِ تیز فہم

(۱) حکایت ۔ عقل مند باغ بان

چار آدمی ایک باغ میں پہنچے اور میوے توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ اُن میں ایک عالم تھا، دوسرا سید، تیسرا سپاہی اور چوتھا سوداگر۔

جب باغ کے مالک نے آکر دیکھا کہ ان لوگوں نے اُس کا کافی نقصان کیا ہے تو اُسے قدرتاً رنج ہوا۔ مگر تھا عقل مند آدمی۔ سوچا کہ یہ چار ہیں اور میں اکیلا۔ ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس لیے کسی اور ترکیب سے ان کی مرمت کرنی چاہیے۔

یہ سوچ کر اُس نے عالم کو مخاطب کرکے کہا "آپ اتنے بڑے عالم ہیں۔ اور ہمارے مذہبی پیشوا۔ دونوں جہان کے مسئلے آپ ہی کی توجہ اور برکت سے طے پاتے ہیں۔ آپ نہ ہوں تو ہم گنہ گاروں کی نجات نہ ہو۔ یہ دوسرے بزرگ سید ہیں اور آلِ رسول۔ اپنے نبی کے خاندان سے ہمیں جتنی زیادہ عقیدت ہو، کم ہے اور اُن کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور یہ تیسرے صاحب اہلِ سیف ہیں۔ ہماری جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں اور ہمارے مُلک کو دشمنوں سے بچاتے ہیں۔ اگر آپ تینوں میرے باغ میں آئیں تو سر آنکھوں پر۔ میری

اجازت کے بغیر سارے باغ کا میوہ بھی کھاجائیں تو میں خوش اور میرا خدا خوش۔ اور اگر میں زرا بھی شکایت کروں تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ بازاری شخص کون ہی؟ اور میرے باغ میں آنے کا کیا حق رکھتا ہی؟ اگر سیر کے لیے آ بھی گیا تو میوے توڑ توڑ کر شیرِ مادر کی طرح ہضم کرنے کا اختیار اسے کس نے دیا تھا؟"

یہ کہہ کر اُس نے سوداگر کا گریبان پکڑ کر دوچار گھونسے رسید کیے۔ اور جب وہ اس کے گھونسوں کے صدمے سے زمین پر گر پڑا تو باغ بان نے رسّی سے جکڑ کر اُس کے ہاتھ پانو باندھ دیے۔

سوداگر سے نبٹ کر اُس نے سپاہی کو مخاطب کیا۔ بولا "میں عالموں اور سیدوں کا غلام در غلام ہوں۔ اور اُن کی خدمت میرے لیے سعادت و برکت کا سبب ہی۔ اگر یہ مجھ سے جان بھی مانگیں تو حاضر کر دوں اور پھر بھی یہ سمجھوں کہ ان کی خدمت کا حق ادا نہ ہوا۔ لیکن تو یہ بتا کہ تو کون ہی اور کس فوجی قانون کی رو سے میرے باغ میں آیا ہی؟ کیا تیرا یہ خیال ہی کہ میں اس کا حاصل ادا نہیں کرتا، یا تو یہ سمجھتا ہی کہ میں نے یہ باغ بادشاہی فوج کی توند بھرنے کو لگایا ہی"۔

یہ کہہ کر اُس نے سپاہی کو بھی پکڑ لیا اور مکّوں اور لاتوں سے اچھی طرح تواضع کرنے کے بعد اسے بھی رسّی سے باندھ کر ایک طرف پٹک دیا۔

سوداگر اور سپاہی سے فارغ ہو کر اب اُس نے عالم کی طرف رُخ کیا۔ اور بولا "ساری دُنیا ساداتِ کرام کی غلام ہی۔ وجہ کیا کہ اُن کی خاندانی شرافت اور نسلی عزت سب کو معلوم ہی۔ وہ جو چاہیں کریں اُن کو معاف ہی لیکن تو یہ بتا کہ تو جو علم و فضل کا دعویٰ کرتا ہی۔ تو نے یہ کس قرآن اور حدیث میں

پڑھا ہو کہ کسی کے باغ میں بے اجازت آنا اور پھل چُرانا جائز ہو؟ کیا تو سید ہو کہ تجھے دوسرے کی جایداد پر اس قسم کا پیدایشی حق حاصل ہو گیا ہو؟ سید ع

زباں پہ بارِ خُدایا یہ کس کا نام آیا

میری جان اور مال سیدوں پر فدا ہو۔ تجھے اُن سے کیا نسبت؟ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک؟

مگر کیا کیا جائے آج کل کا زمانہ ہی خراب ہو۔ ہر جاہل اور اجہل اپنے آپ کو عالم اور فاضل سمجھتا ہو۔ اور مسلمانوں کے مال کو اپنے لیے حلال خیال کرتا ہو۔ ایسے نامعقول مولویوں کو سزا دیے بغیر چھوڑنا حماقت ہو۔"

یہ کہ کر اُس نے عالم کی بھی خوب مرمت کی اور سوداگر اور سپاہی کی طرح اُس کے بھی ہاتھ پانو باندھ دیے۔

اب سید اکیلا رہ گیا تھا۔ باغ بان اُسے مخاطب کر کے بولا "سیدِ والانسب! آپ بھی کچھ فرمائیے۔ اس گنہ گار کے باغ میں اجازت کے بغیر کیوں کر آنا ہوا؟ بے شک یہ میری عزت افزائی ہوئی۔ مگر آپ کو شاید اس کا علم نہیں کہ میرے باغ کا میوہ آسانی سے ہضم نہیں ہوتا۔ اور ذرا یہ تو بتائیے کہ پیغمبر صلعم نے کہاں فرمایا ہو کہ اُن کی اُمت کا مال سادات کے لیے حلال ہو؟"

یہ کہ کر باغ بان نے سید صاحب کے سر اور سینے کی بھی خوب تواضع کی اور اُن کے بھی ہاتھ پانو باندھ کر وہیں ڈال دیا۔

اس طرح چاروں کو بے دست و پا کر کے اُس نے میوے کی قیمت کا مطالبہ کیا۔ اور من مانی قیمت وصول کر لی۔

جلد اوّل ختم

مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام مینیجر چھپی اور سید صلاح الدین جمالی مینیجر انجمن ترقی اُردو (ہند) نے دہلی سے شایع کی۔